مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۰ | رجب المرجب سنہ ۱۴۴۰ھ | اپریل ۲۰۱۹ء | شمارہ ۴

الفصل والانفصال فی الفعل والانفعال

افعال اختیاریہ اور غیر اختیاریہ کا حکم

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے زرسالانہ =/۴۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور
35422213
35433049
پتہ دفتر
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

الفصل و الانفصال فی الفعل و الانفعال
(افعال اختیاریہ اور غیر اختیاریہ کا حکم)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱..........	تمہید..	۹
۲..........	مضمون میں جدت کا نہ ہونا فی نفسہ رحمت ہے..........	۱۰
۳..........	احوال قابل توجہ نہیں..	۱۱
۴..........	لوگ اعمال باطنہ کا اہتمام نہیں کرتے......................	۱۱
۵..........	حق تعالیٰ شانہ اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی کمی پر اظہار افسوس..	۱۱
۶..........	اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے بغیر کوئی آدمی مومن نہیں ہوسکتا..	۱۳
۷..........	تاثیر الفاظ کے دلائل..	۱۳
۸..........	دل میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ٹٹولنے کا معیار..	۱۵
۹..........	محبت کے دو الوان..	۱۵
۱۰..........	انس سے متعلق احادیث مختلفہ میں تطبیق..................	۱۵

۱۱..........	محبت کے لیے جوش وخروش کی ضرورت نہیں.............	۱۶
۱۲..........	اعمال کی دو قسمیں................................	۱۶
۱۳..........	بیوی بچوں کو چھوڑ کر حجرہ سنبھالنا معصیت ہے...........	۱۷
۱۴..........	دینداروں کی غلطی................................	۱۸
۱۵..........	عطائے حق ہونے کی وجہ سے اعمال صالحہ قابل قدر ہیں..	۱۸
۱۶..........	نماز کا شوق پڑھنے سے پیدا ہوتا ہے..................	۲۰
۱۷..........	ایک واعظ کے دیہاتی کو روزہ سے محروم کرنے کی حکایت..	۲۰
۱۸..........	نان وحلوا کے شعر میں تبدیلی.........................	۲۲
۱۹..........	سلوک جذب سے مقدم ہے..........................	۲۳
۲۰..........	نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ کی عجیب وغریب تفسیر.............	۲۴
۲۱..........	قرآن پاک کو سب سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے..........	۲۵
۲۲..........	ارواح کو عالم اجسام میں کیوں بھیجا گیا..................	۲۷
۲۳..........	کاملین پر بھی بعض دفعہ غلبہ احوال ہوتا ہے...............	۲۷
۲۴..........	حضرت خواجہ باقی باللہ اور ایک بھٹیارہ کی حکایت........	۲۹
۲۵..........	حضرات نقشبندیہ سلاطین اور حضرات چشتیہ مساکین ہیں..	۳۰
۲۶..........	اعمال صالحہ کے ساتھ مسلمان کے لیے طول حیات افضل ہے...	۳۱

۲۷.......... شہادت کی فضیلت علی الاطلاق نہیں ہے.................. ۳۲
۲۸.......... شہادت کی فضیلت کا سبب.......................... ۳۳
۲۹.......... شہادت سے بغیر مشقت کے درجات مل جاتے ہیں...... ۳۵
۳۰.......... نماز حظ نفس کے لیے نہ پڑھو.......................... ۳۵
۳۱.......... محققین رضا کے طالب ہیں............................ ۳۷
۳۲.......... قبض باعتبار آثار کے بسط سے زیادہ نافع ہے........... ۳۹
۳۳.......... ساری عمر کے مجاہدات وریاضات کا حاصل............. ۴۰
۳۴.......... سہولت کا منتظر رہنا غلطی ہے.......................... ۴۲
۳۵.......... سالک کو نہ ملنے پر بھی شکر کرنا چاہئے................ ۴۲
۳۶.......... شیطان سالک کے ہمیشہ درپے رہتا ہے.................. ۴۳
۳۷.......... اعمال صالحہ کے قبولیت کی علامت...................... ۴۴
۳۸.......... اسباب کے اختیاری ہونے کی بناپر امور اختیاریہ کہلاتے ہیں.............................. ۴۶
۳۹.......... صاحب فنا کون ہے؟................................. ۴۷
۴۰.......... فناء الفنا کی حقیقت................................... ۴۸
۴۱.......... ثواب اور عذاب کا مدار کسب واکتساب پر ہے............ ۴۹
۴۲.......... امور غیر اختیاریہ پر مؤاخذہ نہ ہوگا...................... ۵۱
۴۳.......... بیماری میں آہ کا منہ سے نکلنا خلاف صبر نہیں............. ۵۲
۴۴.......... کسریٰ کے خزائن مفتوح ہونے پر حضرت عمرؓ کی دعا.... ۵۳

۴۵.......... حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ اور مولانا جامیؒ کی حکایت..... ۵۴
۴۶.......... شر کے لیے اکتساب اور خیر کے لیے کسب فرمانے کا سبب.. ۵۶
۴۷.......... نسیان وخطا امر غیر اختیاری ہے.......................... ۵۷
۴۸.......... وسوسہ کا کچھ دیر تک باقی رہنا بعض اوقات اختیاری ہوتا ہے.. ۵۸
۴۹.......... افعال صلوٰۃ پر توجہ سے نماز میں سہو نہیں ہوتا.............. ۵۸
۵۰.......... دعا تفویض کے منافی نہیں.............................. ۶۰
۵۱.......... خلاصۂ وعظ... ۶۰

وعظ

الفصل و الانفصال فی الفعل و الانفعال
(افعال اختیاریہ اور غیر اختیاریہ کا حکم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے یہ وعظ ۲۲ شوال ۱۳۴۶ھ بمقام مکان حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ تھانہ بھون جو کہ حضرت والا نے کرسی پر بیٹھ کر ساڑھے تین گھنٹے ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۵۰ تھی مستورات بھی تھیں جس کو مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند فرمایا۔

خلیل احمد تھانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارك وسلم اما بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

{لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا وقفة وَاغْفِرْ لَنَا وقفة وَارْحَمْنَا وقفة اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ}(۱)

تمہید

یہ مضمون اہل علم، اہل عمل اور اہل حال سب کے لیے مناسب ہے۔ میں نے برکت کے لیے سب آیتیں پڑھ دی ہیں مگر مقصود بالبیان صرف اول کے جملے ہیں ہر چند کہ یہ مضمون اہل علم کے زیادہ مناسب ہے اور ان میں سے بھی زیادہ مناسب ان کے ہے جو اہل عمل ہیں اور اہل عمل میں بھی اہل حال کے زیادہ مناسب مگر سب مسلمان فی الجملہ علم وحال

(۱) ’’اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو اس کو ثواب بھی اس کا ملے گا جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے۔ اے ہمارے پروردگار ہم پر دارو گیر نہ فرمایئے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں، اے ہمارے پروردگار ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے۔ جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے۔ اے ہمارے رب ہم پر کوئی ایسا بار (دنیا یا آخرت کا نہ ڈالیے جس کی ہم کو سہار نہ ہو اور درگزر کیجئے ہم سے اور بخش دیجئے ہم کو اور رحم کیجئے ہم پر آپ ہمارے کارساز ہیں آپ ہمیں کافروں پر غالب کیجئے‘‘ سورۃ البقرۃ:۲۸۶۔

سے متصف ہیں ہی اس لیے فی الجملہ یہ مضمون سب کے مناسب ہے گو بظاہر خشک مضمون ہے مگر ضرورت کی وجہ سے تر مضامین پر مقدم اور ان سے اہم ہے اور یہ مضمون مختصر بھی ہے اور عمل میں سہل (۱) بھی ہے ان وجوہ سے بھی یہ اہم ہے کہ ضرورت کا بھی ہے مختصر بھی ہے سہل بھی ہے اس لیے بھی اختیار کیا گیا کہ طبیعت کسلمند ہے (۲) بیان کا قصد تو بالکل نہ تھا مگر بعض مہمانوں کی خاطر قصد کرلیا گیا۔ اور ارادہ کے بعد خیال یہ ہوا تھا کہ مدرسہ میں بیان کروں مگر بعض مہمان مستورات بھی ہیں ان کو بھی سنانا چاہا اس لیے گھر میں بیان تجویز ہوا گو مستورات سے یہ امید نہ تھی کہ وہ اس کو سمجھ سکیں گی مگر توکلا علی اللہ (۳) یہ ارادہ کرلیا گیا کیونکہ مستورات کو بعض احوال تکوینیہ ایسے پیش آتے ہیں جن کی تعدیل (۴) کے لیے یہ مضمون زیادہ مناسب ہے گو ان کی سمجھ میں بھی نہ آئے تاہم احکام شرعیہ میں کچھ ایسا لطف ہے کہ جس کی وجہ سے ہر سننے والے پر ان کا اثر ہوتا ہے گو وہ کسی کے سمجھ میں بھی نہیں آئیں۔ احکام شرعیہ طبعاً دل میں گھر کرلیتے ہیں اس لیے مجمع مستورات کو بھی فائدہ کی امید ہے کیونکہ مضمون فی نفسہ سہل ہے گو بعض مقدمات دقیق ہیں جو غیر اہل علم کی فہم میں نہ آئیں مگر اصل مضمون کچھ دقیق (۵) نہیں اور عملاً تو بہت ہی سہل ہے۔ یہ ایک اجمالی حاصل ہے مضمون کا اور اس کے محرک کا اور اس کے سبب اختیار کا اب میں وہ مسئلہ بیان کرتا ہوں اور جو غلطی اس میں کی جاتی ہے اس کو رفع کرنا چاہتا ہوں۔ جو آیات میں نے تلاوت کی ہیں یہ مسئلہ ان کے ابتدائی جملوں کا مدلول ہے اور یہ ایسا مسئلہ ہے جس کو میں اکثر بیان کیا کرتا ہوں گو جس طرح آج اس آیت کے تحت میں سمجھ میں آیا ہے اس طرح کبھی بیان نہیں ہوا اس لیے اس میں گونہ جدت بھی ہے کیونکہ طرز بیان کے جدید ہونے سے بھی مضمون میں کسی قدر جدت آجاتی ہے مگر جدت فی نفسہا مطلوب نہیں۔

مضمون میں جدت کا نہ ہونا فی نفسہ رحمت ہے

بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جدت نہ ہونا رحمت حق ہے۔ کیونکہ جدید محض (۶) ذہن سے مانوس نہیں ہوتا اور غیر جدید مانوس ہوتا ہے اور جس بات سے ذہن کو انس ہوتا ہے وہ

(۱) آسان (۲) سست ہے (۳) اللہ پر بھروسہ کرکے (۴) اعتدال پیدا کرنے کے لیے (۵) مشکل نہیں (۶) بالکل نیا مضمون ذہن قبول نہیں کرتا۔

جلدی دل میں گھر کر لیتی ہے پس تعلیمات شرعیہ کا پرانا ہونا اور سبق کہنہ (۱) ہونا ہمارے لیے رحمت ہے اگر احکام شرعیہ جدید محض ہوتے تو ذہن سے مانوس نہ ہوتے اور غیر مانوس سے طبیعت اچٹتی ہے (۲) پس جو لوگ بیان میں جدت کے طالب ہیں وہ گویا مضمون غیر مانوس کے طالب ہیں۔ اب مقصود کو سنئے کہ حاصل اس مضمون کا جن کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ امور اختیاریہ قابل توجہ ہیں (۳) اور امور غیر اختیاریہ غیر قابل توجہ ہیں (۴) اس کے بعد سمجھئے کہ انسان میں دو چیزیں ہیں ایک اعمال یہ تو اختیاری ہیں جن میں بعض اعمال تو کرنے کے ہیں اور بعض بچنے کے ہیں مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ وحج وغیرہ یہ اعمال تو کرنے کے ہیں اور غیبت نہ کرنا تکبر نہ کرنا کسی کا مال غصب نہ کرنا قرض نہ مارنا یہ اعمال کف (۵) کے متعلق ہیں کیونکہ کسی عمل سے بچنا بھی عمل ہے اعمال عدمیہ من حیث العدم تو عمل نہیں لیکن من حیثیت الکف عمل ہیں (۶)۔ دوسرے احوال ہیں یہ غیر اختیاری ہیں۔

احوال قابل توجہ نہیں

پس حاصل ہوا کہ اعمال قابل توجہ ہیں اور احوال قابل توجہ نہیں کیونکہ اعمال سب اختیاری ہیں خواہ ظاہرہ ہوں یا باطنہ۔

لوگ اعمال باطنہ کا اہتمام نہیں کرتے

یہ تعمیم اس لیے کی کہ بعض لوگ اعمال ظاہرہ کا تو اہتمام کرتے ہیں مثلاً نماز، روزہ کا۔ مگر اعمال باطنہ کا اہتمام نہیں کرتے مثلاً خدا سے محبت کرنا حالانکہ شرعاً یہ بھی مثل نماز کے ضروری ہے۔

حق تعالیٰ شانہ اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی کمی پر اظہار افسوس

بدوں محبت حق کے نماز بھی نماز نہیں مگر لوگوں کو اس کا اہتمام نہیں چنانچہ دل کو ٹٹول

(۱) پرانا سبق (۲) اکتائی ہے (۳) جو کام اپنے اختیار میں ہے اس کی طرف توجہ کرنی چاہیئے (۴) غیر اختیاری کے در پے نہ ہو (۵) رکنے کے قابل ہیں (۶) نہ کرنے والے اعمال نہ کرنے کے اعتبار سے تو عمل نہیں لیکن ان سے رکنا بھی تو ایک عمل ہے۔

کرنہیں دیکھتے کہ اس میں خدا کی محبت کتنی ہے اور یہ بہت بڑی کوتاہی ہے۔ حدیث میں ہے
لا یکون احد کم مؤمنا حتی یکون اللّٰہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما(۷)

یہ ایک ایسی حدیث ہے جس میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ کسی نص کے معارض نہیں اور تاویل تعارض(۱) ہی کی وجہ سے کی جاتی ہے اب ہر شخص دیکھ لے کہ اس کے دل میں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت زیادہ ہے یا برادری واہل وعیال کی، بعض کو تو اس کی فکر ہی نہیں اور جنہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ محبت تو غیر اختیاری ہے۔ جب ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں ہے تو کیا کریں اور بعض نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی صورت تو یہ ہے کہ گھر بار بیوی بچے چھوڑ کر ایک حجرہ میں بیٹھ جاؤ اور یہ نہیں ہوسکتا پس محبت الٰہی کا حاصل ہونا محال ہے اور محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ پس یہ حساب اپنے دل میں لگا کر بیٹھ گئے اور تحصیل محبت الٰہیہ میں سعی چھوڑ دی(۲)۔ رہا یہ کہ ترک محبت پر اللہ تعالیٰ مواخذہ فرمائیں گے سو اس کا اول تو ان کو وہم ہی نہیں ہوتا اور کچھ خیال ہوتا ہے تو دل کو یہ سمجھا لیتے ہیں کہ قیامت میں کہہ دیں گے کہ یا اللہ جیسے اور گناہ آپ معاف فرمائیں گے ویسے ہی اس گناہ کو بھی معاف فرما دیجئے مگر افسوس دنیا کے متعلق کسی نے یہ حساب نہیں لگایا جس طرح عذاب آخرت کے متعلق دل کو یہ سمجھا لیا ہے کہ کٹ پٹ کر ایک دن نجات ہو ہی جائے گی اسی طرح دنیا کے متعلق دل کو سمجھانا چاہئے تھا کہ اگر دنیا میں راحت نہ ہوتی تو بلا سے ایک دن سب تکالیف کا خاتمہ ہو ہی جائے گا بلکہ دنیا کے متعلق یہ حساب اہون تھا(۳) کیونکہ دنیا کا زوال وانقطاع قریب وقت میں مشاہدہ ہے(۴) اور آخرت میں ایک دن کو بھی عذاب ہوگیا تو آخرت کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہے۔ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ اور اگر خدانخواستہ دو چار دن کے لیے عذاب ہوا تو پھر کیا ٹھکانا ہے۔ پھر حیرت ہے کہ دنیا کی تکالیف کا تو تحمل نہیں(۵) اور یہاں ہر شخص اپنے لیے راحت ہی تجویز

(۷)''کوئی تم میں سے مومن نہ ہوگا جب تک اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس کے نزدیک سب ماسوائے یعنی اپنے نفس اور مال اور اہل عیال سب سے زیادہ محبوب نہ بن جائیں'' (۱) ٹکراؤ (۲) محبت الٰہی کے حصول کی کوشش ترک کردی (۳) آسان تھا (۴) دنیاوی زندگی اور آسائشیں یقینا عنقریب ختم ہونے والی ہیں (۵) برداشت نہیں ہوتی۔

کرتا ہے حالانکہ دنیا کی راحت وتکلیف چند روزہ ہے اور آخرت کی تکلیف وعذاب سے اس قدر بے فکری ہے کہ اس کے لیے ہر شخص نے اپنے دل میں ایک حساب لگا رکھا ہے میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا سے ترک تعلق کر کے جنید وشبلی بن جاؤ میں تو اس کا متمنی ہوں کہ مسلمان بن جاؤ۔ افسوس تو اسی بات کا ہے کہ آجکل اکثر مسلمانوں کا ایمان کمزور ہے کہ نہ خدا ورسول کی محبت کی فکر ہے نہ آخرت کا خوف ہے۔ ایک مہینہ کی جیل سے جتنی وحشت ہے۔ عذاب جہنم کا اتنا بھی خوف نہیں۔

اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے بغیر کوئی آدمی مومن نہیں ہوسکتا

اب سنئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس حدیث میں مطلقا فرماتے ہیں: لا یؤمن احدکم جس کا مطلب یہ ہے کہ بدوں اللہ ورسول کی محبت کے آدمی مومن ہی نہیں ہوتا۔ اگر خوارج ومعتزلہ نہ ہوتے جو مرتکب کبیرہ کو کافر یا لامومن ولا کافر (۱) کہتے ہیں تو علماء کو اس حدیث کی تقیید کی (۲) کچھ ضرورت نہ تھی کیونکہ تقیید کے بعد وہ اثر نہیں ہوتا جو اطلاق کا اثر ہوتا ہے مگر حضرات علماء نے جو تقیید بضرورت کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب دوسرے نصوص کو ملا کر یہ معلوم ہوگیا کہ مقصود مقید ہے تو اعتقاد تقیید کا رکھو مگر اثر اطلاق کا لو۔ رہا یہ کہ لفظی اطلاق کا اثر ہی کیا ہوگا جب کہ اعتقاد تقیید کا ہے۔

تاثیر الفاظ کے دلائل

تو میں کہتا ہوں کہ الفاظ کا اثر بھی بہت ہوتا ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجائے من ترك الصلوٰة متعمدا فقد کفر کے فقد عصی (۳) فرماتے میرے پاس تاثیر الفاظ کے دلائل موجود ہیں کہ باوجود اتحاد معنی کے الفاظ کا اثر جدا ہوتا ہے جیسے باپ کو قبلہ وکعبہ کہو تو اور اثر ہے۔ ابّا کہو تو اور اثر ہے اور ماں کا خصم (۴) کہو تو جدا اثر ہے۔ بتلایئے یہ کس چیز کا اثر ہے معنی کا اثر نہیں ہوسکتا کیونکہ معنی سب کے متحد ہیں یہ اختلاف اثر محض اختلاف لفظ کی وجہ سے ہے۔ مجھے خود ایک واقعہ پیش آچکا ہے کہ ایک

(۱) گناہ کبیرہ کرنے والے کو کافر کہتے یا یوں کہتے ہیں کہ وہ نہ مسلمان ہے نہ کافر (۲) قید لگانے کی کہ ایمان سے مطلق ایمان کی نفی نہیں بلکہ ایمان کامل کی نفی ہے (۳) کنز العمال: ۵۰۰۸ (۴) ماں کا شوہر۔

زمانہ میں مجھے اختلاف قلب کا مرض ہوا اور قوت اس درجہ سلب ہوگئی کہ ایک طبیب نے قارورہ(۵) دیکھ کر یہ کہا کہ حیرت ہے یہ شخص زندہ کیونکر ہے قارورہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حرارت غریزیہ(۶) بالکل فنا ہوگئی۔ قارورہ لے جانے والے میرے ایک دوست تھے انہوں نے یہ قول مجھ سے آکر کہہ دیا میں ان پر بہت خفا ہوا کہ تم کو مریض سے ایسی بات نہیں کہنا چاہئے تھی وہ نادم(۱) ہوئے اور کہنے لگے کہ اب تو غلطی ہوگئی اس کا تدارک(۲) کیونکر ہو میں نے کہا اس کا تدارک یہ ہے کہ تم یہاں سے واپس جاؤ اور کچھ دور سے لوٹ کر آؤ اور مجھ سے یوں کہو کہ میں نے پہلے جو بات کہی تھی وہ غلط تھی حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ حالت اچھی ہے خطرہ نہیں ان شاء اللہ صحت ہوجائے گی۔ وہ دوست کہنے لگے میرے اس کہنے سے کیا تدارک ہوگا جبکہ آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ ہی کا پڑھایا ہوا سبق آکر سنادوں گا۔ میں نے کہا تم نہیں جانتے اللہ نے الفاظ میں بھی خاص اثر رکھا ہے چنانچہ وہ گئے اور تھوڑی دیر میں آکر وہی الفاظ کہے جو میں نے سکھلائے تھے۔ تو میں نے اس وقت اپنے اندر ان الفاظ کا اثر خود محسوس کیا اور دیکھتا تھا کہ ان الفاظ کے سننے سے وہ وحشت جاتی رہی جو پہلے حکیم صاحب کا قول سن کر پیدا ہوئی تھی پھر خدا کے فضل وکرم سے چند روز ہی میں مجھے صحت ہوگئی۔ تو جب اپنے پڑھائے ہوئے الفاظ میں اتنا اثر ہے تو غور کیجئے کہ جو الفاظ اپنے سکھلائے ہوئے بھی نہیں ہیں ان کا کیا اثر ہوگا گو یہ بھی معلوم ہوجائے کہ مراد کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے فقد کفر فرمایا ہے فقد عصی(۳) نہیں فرمایا گو مطلب وہی ہے جو فقد عصی کا ہے مگر فقد کفر میں خاص اثر ہے اور اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کے متعلق لا یؤمن فرمایا ہے کہ اس کے بغیر آدمی مومن نہیں ہوتا اب بتلایئے اس کی فکر کیوں نہیں ہے۔

---

(۵) پیشاب دیکھ کر (۶) وہ قوت جس سے انسان زندہ رہتا ہے (۱) شرمندہ (۲) اب اس کا علاج کیا کروں (۳) یہ کہا کہ اس نے کفر کیا یہ نہیں کہا کہ اس نے نافرمانی کی۔

دل میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ٹٹولنے کا معیار

ٹٹول کر دیکھو کہ دل میں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت زیادہ ہے یا بیوی بچوں کی شاید تم کہو کہ تعارض آثار سے (۱) دونوں طرف ذہن جاتا ہے اس کا معیار بتلاؤ جس سے فیصلہ کیا جائے تو وہ معیار یہ ہے جس معاملہ میں ایک طرف اللہ اور رسول کا حکم ہو اور ایک طرف اپنے نفس کی یا بیوی بچوں کی خواہش ہو تو اس وقت یہ دیکھو کہ تم کس کو ترجیح دیتے ہو اگر تم نے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ترجیح دی تو بے شک تم کو اللہ ورسول کی محبت ہے گو جوش وخروش نہ ہو (۲) کیونکہ محبت کے الوان ہیں (۳) اس کو صوفیہ نے اچھی طرح سمجھا ہے ورنہ اہل ظاہر تو سب کو کافر ہی بنادیتے کیونکہ ان کے نزدیک تو محبت جوش وخروش ہی کا نام ہے اگر جوش نہ ہو تو ان کے نزدیک محبت ہی نہیں تو وہ سب کو محبت سے خالی کہتے۔

محبت کے دو الوان

مگر صوفیہ نے کہا ہے کہ محبت کے دو الوان ہیں ایک شوق کا رنگ ہے اس میں جوش وخروش ہوتا ہے ایک لون انس کا ہے (۴) اس میں جوش وخروش نہیں جیسے ایک محبت چھوٹے بچہ سے ہوتی ہے ایک بڑے لڑکے سے دونوں کا لون (۵) مختلف ہے۔

انس سے متعلق احادیث مختلفہ میں تطبیق

ایسی تحقیق سے محققین نے احادیث مختلفہ میں تطبیق دی ہے کہ بعض احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا من احب الناس الیك کہ آپ کو دو آدمیوں میں کس سے محبت بہت زیادہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں کبھی تو فرمایا کہ حضرت عائشہؓ سب سے زیادہ محبوب ہیں اور کبھی حضرت فاطمہ کا نام لیا اور بعض روایات میں ابوبکر صدیق ؓ کا نام آیا ہے۔ محققین نے فرمایا ہے کہ ان احادیث میں تعارض (۶) کچھ نہیں کیونکہ محبت کے الوان وانواع

---

(۱) علامات سے تو دونوں طرف ذہن منتقل ہوتا ہے (۲) ولولہ نہ ہو (۳) مختلف رنگ ہیں (۴) مانوسیت والفت (۵) رنگ (۶) یہ احادیث ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہیں۔

ہیں (۱)۔ ایک نوع محبت کی وہ ہے جو بیوی سے ہوتی ہے اس نوع میں حضرت عائشہ ؓ کے مساوی (۲) کوئی نہیں۔ ایک نوع محبت کی وہ ہے جو اولاد سے ہوتی ہے۔ اس میں حضرت فاطمہ ؓ کے برابر کوئی نہیں ایک نوع وہ ہے جو دوستوں سے ہوتی ہے اس نوع میں حضرت صدیق ؓ کے برابر کوئی نہ تھا وعلی ہذا القیاس (۳)۔

محبت کے لیے جوش وخروش کی ضرورت نہیں

غرض محبت کے لیے جوش وخروش کی ضرورت نہیں بدوں (۴) اس کے بھی محبت ہوسکتی ہے پس جو شخص اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو اپنی نفسانی خواہش اور بیوی بچوں کی خواہش پر ترجیح دے اس کو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی درجہ کی محبت حاصل ہے گو جوش نہ ہو اور جو اپنے نفس یا اہل وعیال کی خواہش کو ترجیح دے اس کو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ محبت نہیں تو اب کیا یہ بات فکر کی نہیں کہ ہم کو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہے یا نہیں۔

اعمال کی دو قسمیں

میں یہ کہہ رہا تھا کہ اعمال دو قسم کے ہیں ظاہرہ ہوں یا باطنہ اور آجکل بہت لوگوں کو اعمال باطنہ کی فکر نہیں نیز میں نے کہا تھا کہ اعمال سب اختیاری ہیں۔ اس لیے اعمال سب کے سب قابل توجہ ہیں اور جو لوگ محبت الٰہی کو دشوار یا محال سمجھے ہوئے ہیں یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ انہوں نے محبت الٰہی کی حقیقت یہ سمجھی ہے کہ تعلقات دنیویہ کو کلیۃً ترک کردیا جائے (۵) بیوی بچوں کو چھوڑ کر ایک حجرہ سنبھال لیا جائے یہ خیال جاہلانہ ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام سے زیادہ کسی کو اللہ تعالیٰ سے محبت نہ تھی اور انبیاء علیہم السلام اکثر صاحب ازواج وذریہ (۶) تھے اور کسی نے بیوی بچوں کو چھوڑ کر حجرہ نہیں سنبھالا بلکہ سب ان کے حقوق کو اہل دنیا سے زیادہ ادا کرتے تھے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً (۷) وقال

(۱) رنگ وقسمیں ہیں (۲) برابر (۳) اسی اصول پر باقی کو قیاس کرلو (۴) بغیر اس کے (۵) دنیاوی تعلق کو بالکل ختم کردو (۶) بیوی بچے (۷) ”اور ہم نے یقینا آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیبیاں اور بچے بھی دیئے“ الرعد: ۳۸۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (۱)۔اور حدیث میں ہے: ان من اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا والطفهم باهله۔ (۲)

بیوی بچوں کو چھوڑ کر حجرہ سنبھالنا معصیت ہے

پس خوب سمجھ لو کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر حجرہ سنبھالنا محبت الٰہی نہیں بلکہ معصیت حق ہے (۳) محبت الٰہیہ ان کو چھوڑنے کا امر (۴) نہیں کرتی بلکہ پہلے سے زیادہ ان کی دل داری ودلجوئی کا امر کرے گی۔ یہ گفتگو تو اعمال کے متعلق تھی۔ ایک دوسری چیز انسان کے اندر اور ہے جس کا نام حال ہے جیسے شوق وجذب ووجد وغیرہ یہ اختیاری نہیں ہیں وہبی ہیں اور صاحب حال وغیرہ۔ صاحب حال میں تفاوت یہ ہے کہ غیر صاحب حال کو مثلا رشوت سے نفرت تو ہوتی ہے مگر ایسی نہیں جیسی گوہ سے (۵) اور صاحب حال کو گناہوں سے ایسی ہی نفرت ہوتی ہے جیسی نجاست ظاہرہ سے اس لیے احوال کے محمود ہونے میں کلام نہیں مگر وہ مقصود نہیں ہیں کیونکہ غیر اختیاری ہیں اسی لیے مقصود ان پر موقوف نہیں مثلاً مقصود گناہوں سے بچنا ہے تو یہ بدوں حال (۶) کے بھی حاصل ہوسکتا ہے گو بدوں حال کے گناہوں سے ایسی نفرت نہ ہوگی جیسی گوہ سے مگر ایسی نفرت تو ہوسکتی ہے جیسی سنکھیا (۷) سے سو گناہوں سے بچنے کے لیے اتنی نفرت بھی کافی ہے اسی طرح مصیبت کے وقت صبر مطلوب ہے کہ اس کو خدا کا تصرف سمجھ کر راضی رہے اور دل میں خدا سے شکایت نہ لائے نہ ظاہر میں جزع فزع کرے (۸) یہ تو اعمال اختیار میں سے ہے جس کے مکلف ہم سب ہیں اب بعض لوگ کسی عزیز کی موت کے وقت صبر کرکے اس کا انتظار کرتے ہیں کہ ہم کو اس کا خیال ہی نہ آئے تو یہ غیر اختیاری ہے۔ غلبۂ حال میں ایسا بھی ہوجاتا ہے مگر حال اپنے اختیار میں نہیں۔

---

(۱) ''اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے'' سورۃ الفرقان: ۲۰ (۲) ''تم میں کامل الایمان وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ خلق ولطف سے پیش آوے'' سنن الترمذی: ۲۶۱۲، رواہ الترمذی (۳) اللہ کی نافرمانی ہے (۴) حکم (۵) پخانے سے (۶) بغیر کیفیت حال (۷) زہر (۸) چیخنا چلانا۔

دینداروں کی غلطی

اب دینداروں کی غلطی یہ ہے کہ جس میں عوام بھی بعض دفعہ مبتلا ہوجاتے ہیں کہ ان کو اعمال سے زیادہ احوال کا اہتمام ہوجاتا ہے وہ یہ چاہتے ہیں کہ مصیبت کے وقت ایسا صبر آئے کہ عزیز کے مرنے کا خیال ہی دل سے نکل جائے۔ اور نماز میں ایسا دل لگے کہ ڈھول بھی بجتے ہوں تو خبر نہ ہو اسی لیے ذاکرین شیوخ سے کہتے ہیں کہ ذکر میں دل نہیں لگتا ذکر کرکے جی پھیکا پھیکا رہتا ہے۔ تہجد کا ہم کو ایسا اہتمام نہیں جیسا اسٹیشن پر جانے کا اہتمام ہوجاتا ہے یا تہجد و ذکر کے ناغہ ہونے کا اتنا قلق (۱) نہیں ہوتا جتنا مال چوری ہوجانے کا قلق ہوتا ہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ سالکین نے اعمال صالحہ کی بے قدری شروع کردی کہ جب نماز میں بیوی بچوں کا خیال آگیا تو وہ نماز ہی کیا ہوئی یہ شخص ناشکری میں مبتلا ہوگیا۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ نماز کو اپنی نماز سمجھے اور اس کو اپنا کمال سمجھے کیونکہ نماز تو اپنی جب ہوتی کہ اپنے اسباب سے کام لیا ہوتا یہاں تو اعضاء وارادہ سب حق تعالیٰ کی طرف سے ہیں اپنی حیثیت سے تو نماز وغیرہ کچھ بھی نہیں۔

عطائے حق ہونے کی وجہ سے اعمال صالحہ قابل قدر ہیں

مگر دوسری حیثیت سے یہ اعمال قابل قدر ہیں یعنی عطائے حق ہونے کی وجہ سے یہ نماز وروزہ جس درجہ میں بھی ہے قابل قدر ہے (مصرعہ)

بلا بودے اگر ایں ہم نبودے (۲)

اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک چمار کو بادشاہ موتی دیدے تو وہ اپنے کو چمار ہی سمجھے گا مگر اس کے ساتھ ہی موتی کو موتی بھی سمجھے گا یہ نہیں کہ اپنے چمار ہونے کی وجہ سے موتی کو بھی ٹھیکر سمجھنے لگے۔ یا موتی کو موتی سمجھنے سے اپنے کو چمار نہ سمجھے۔ بس یہ مطلب ہے شکر کا کہ اپنے کو تو چمار سمجھو مگر اعمال صالحہ عطائے حق ہونے کی وجہ سے قابل قدر سمجھو اور نعمت حق کی بے قدری نہ کرو مجھے اس پر ایک حکایت یاد آئی الٰہ آباد میں ایک بزرگ محمدی شاہ صاحب تھے جو ولایتی تھے اور مجرد (۳) بھی تھے الٰہ آباد والے بھی کہتے تھے کہ

(۱) رنج (۲) اگر یہ بھی نہ ہوتا تو بہت بڑی مصیبت تھی (۳) اکیلے غیر شادی شدہ۔

رات کو جب یہ ذکر کرتے ہیں تو سارا شہر گونج جاتا ہے۔ بہت لوگ ان کے معتقد تھے اور اکثر اہل مقدمات ان کے پاس بہت جاتے تھے اور بعضے بزرگوں کے پاس طالبان دین زیادہ جاتے ہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ لوگ کسی کے پاس دین کی طلب کو جائیں بحمد اللہ ہمارے حضرات کے پاس اکثر اہل دین اور طالب آخرت ہی آتے ہیں میں بھی ایک دفعہ والد صاحب کے ساتھ ان بزرگ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ یہ مجھے یاد نہیں رہا کہ والد صاحب کیوں گئے تھے کسی مقدمہ کی وجہ سے دعاء کے لیے گئے تھے یا محض زیارۃ اہل اللہ کا قصد تھا ان بزرگ کا ایک واقعہ حافظ عبدالرحمن صاحب بکھروی بیان کرتے تھے کہ وہ ایک شخص کے ساتھ ان بزرگ کے پاس حاضر ہوئے۔ اس دوسرے شخص کو محمدی شاہ صاحب جانتے تھے ان سے حافظ عبدالرحمن صاحب کی تعریف پوچھی تو انہوں نے کہا یہ حافظ بھی ہیں حاجی بھی ہیں ذاکر شاغل بھی ہیں۔ اس پر حافظ عبدالرحمن صاحب نے تواضعاً کہہ دیا کہ حضرت میں تو کچھ بھی نہیں یہ سنکر محمدی شاہ صاحب بگڑ گئے اور فرمایا اچھا تو تم حافظ نہیں ہو تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حفظ قرآن سلب کرلیں اور تمہارا حج باطل ہوجائے۔ حافظ عبدالرحمن کہتے تھے کہ انہوں نے میری ایسی خبر لی کہ پیچھا چھڑانا مشکل ہوگیا اور اس کے بعد جب کبھی حافظ جی ان کے پاس حاضر ہوتے تو کہتے آؤ ناشکرا آؤ ناشکرا۔ انہوں نے ان کا لقب ہی ناشکرا رکھ لیا۔ غرض ہمارے اعمال میں دو حیثیتیں ہیں اور اس کو اہل علم اچھی طرح سمجھیں گے۔ اسی لیے کچھ درسی کتابوں کے پڑھنے کی بھی ضرورت ہے۔ پس ہماری حیثیت سے تو یہ اعمال کچھ نہیں ہیں مگر دوسری حیثیت سے قابل قدر ہیں کہ عطاء حق ہیں (۱) گو وہ ٹوٹا ہی ہوا بریں دے دیں۔ پس سالکین پر تو احوال کے مقصود سمجھنے کا یہ اثر ہوا کہ وہ اپنے اعمال کی بے قدری کرنے لگے اور عوام پر یہ اثر ہوا کہ انہوں نے عمل ہی کو چھوڑ دیا کہ جب نماز میں خیالات دنیویہ کا سلسلہ بند نہیں ہوتا تو ایسی نماز کو کیا کریں سالکین تو عمل کے بعد معطل ہوئے تھے (۲)۔

(۱) اللہ کی عطا کردہ ہے (۲) عمل کرنے کے بعد ترک عمل کا شکار ہوئے تھے

نماز کا شوق پڑھنے سے پیدا ہوتا ہے

عوام کو قبل عمل ہی کے تعطل ہوگیا (۱)۔ چنانچہ یہ لوگ کسی بزرگ کے پاس جائیں گے تو یہ کہیں گے کہ کوئی ایسی تدبیر بتلادیجئے کہ نماز کا شوق ہوجائے حالانکہ شوق ہوتا ہے نماز پڑھنے ہی سے نماز تو یہ چاہتی ہے کہ یہ اس کو پڑھیں تو شوق پیدا ہو اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ پہلے شوق ہوجائے تو نماز پڑھیں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص چاہے کہ کھانا پختہ (۲) ہوجائے مگر جو اسباب ہیں پختہ ہونے کے ان کو جمع نہ کرے (۳) تو کیسے پختہ ہوگا البتہ ایسا پختہ ہوجائے گا جیسے ایک مسخرہ کی حکایت ہے کہ اس کو رس کی کھیر کا شوق ہوا لوگوں سے ترکیب پوچھی معلوم ہوا کہ چاول اور رس کو ملاکر آگ پر پکانا پڑتا ہے اور گھونٹنا بھی پڑتا ہے کہنے لگا یہ تو بکھیڑا ہے آپ نے کیا کیا چاول کچے پھانک کر اوپر سے رس پی لیا اور چولہے کی طرف سرین کرکے (۴) کھڑا ہوگیا کہ آنچ لگ کر کہ پیٹ میں سب پک جائے گا تو جیسے اس شخص کی کھیر پک گئی تھی ایسا ہی ان لوگوں کا شوق حاصل ہوگا جو بدوں عمل کے شوق کے طالب ہیں اور اس غلطی کا منشا یہ ہے کہ یہ لوگ بدوں حال کے عمل کو کالعدم (۵) سمجھتے ہیں اور یہ ناس کیا ہے واعظوں نے جو اپنے وعظوں میں علی الاطلاق کہہ دیتے ہیں۔

برزباں تسبیح و دردل گاؤخر ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر (۶)

اگر یہ لوگ محقق سے رجوع کرتے تو کبھی یہ حالت نہ ہوتی مگر غیر محقق واعظوں کی تعلیم نے مخلوق کا ناس کردیا ان کی یہ حالت ہے کہ۔

ایک واعظ کے دیہاتی کو روزہ سے محروم کرنے کی حکایت

ایک واعظ نے رمضان میں کسی دیہاتی سے کہا کہ آج روزہ رکھا ہے کہا ہاں رکھا ہے کہا نیت بھی کی تھی کہا ہاں کی تھی پوچھا کس طرح کی تھی اس نے بتلایا کہ سحری کھاتے ہوئے دل میں خیال کرلیا تھا کہ کل کو روزہ رکھیں گے واعظ صاحب بولے کہ

(۱) عوام نے ابتداءً ہی ترک عمل کردیا (۲) پک جائے (۳) پکانے کے اسباب جمع نہ کرے (۴) کو لھے کرکے (۵) یہ سمجھتے ہیں جب تک انسان پر حال کی کیفیت طاری نہ ہو عمل بیکار ہے (۶) ''زبان پر اللہ کا نام اور دل میں دنیا کا خیال۔ ایسی عبادت کیا اثر رکھتی ہے''۔

یوں نہیں بلکہ زبان سے یوں کہنا چاہئے۔ نويت الصوم لله تعالى غدا۔ دیہاتی نے کہا بہت اچھا اب سے یوں کہا کروں گا۔ اگلے دن واعظ صاحب نے دیکھا کہ چودھری چوپال میں بیٹھے ہوئے حقہ بجارہے ہیں (۱) کہا میاں یہ کیا؟ رمضان میں حقہ پیتے ہو کیا روزہ نہیں ہے کہا نہیں آج روزہ نہیں رکھا کیونکہ نیت یاد نہیں ہوئی جب نیت یاد ہوجائے گی تب روزہ رکھوں گا۔ دیکھئے اس واعظ نے بیچارے دیہاتی کا کیسا ناس کیا کہ اس کو روزہ سے محروم کردیا بس ان کی وہ حالت ہے جو اناڑی حکیم کی حالت ہوتی ہے چنانچہ ایسے ہی حکیم نے ایک بیمار کو مسہل دیا (۲) تھا نہ معلوم کیا خاک بلادے دی کہ غریب کو بے انتہا دست آگئے حکیم صاحب کو مسہل دینا تو آتا تھا مگر دست بند کرنے کی ترکیب معلوم نہ تھی۔ تیمارداروں نے آکر اطلاع کی کہ دست بہت آرہے ہیں بند نہیں ہوتے کہا کچھ ڈر نہیں مادہ فاسد ہے نکلنے دو۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر اطلاع کی کہ بہت ضعیف ہوگیا ہے کہا کہ کچھ ڈر نہیں مادہ فاسد ہے نکلنے دو۔ پھر اطلاع کی کہ اس کو تو نزع کی سی کیفیت طاری ہے کہا مادہ فاسد ہے نکلنے دو۔ پھر اطلاع دی کہ وہ تو مر بھی گیا تو آپ فرماتے ہیں اللہ رے مادے جس کے نکلنے سے مرگیا اگر وہ اندر رہتا تو کیا ہوتا۔ یہ ویسا ہی جواب ہے جیسے بوجھ بجکڑ نے جواب دیا تھا جس کا قصہ یہ ہے کہ ایک گاؤں میں ایک شخص تاڑ کے درخت پر چڑھ گیا۔ چڑھ تو گیا مگر اترنا جانتا نہ تھا۔ لگا چلانے کہ مجھے اتارو گاؤں والے سارے بیوقوف تھے۔ کسی کی سمجھ میں تدبیر نہ آئی تو بوجھ بجکڑ کو (یعنی گاؤں کے عاقل کو) بلایا گیا۔ وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولے کہ بس تدبیر سمجھ میں آگئی۔ ایک لمبا سا رسہ لاؤ اور اس کے پاس پھینکو کہ اس کو اپنی کمر سے مضبوط باندھ لے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اس کے بعد حکم دیا کہ زور سے جھٹکا دو۔ چنانچہ یہ بھی کیا گیا وہ نیچے تو آگیا مگر روح اوپر کو اڑ گئی۔ گاؤں والے بوجھ بجکڑ کے سر ہوگئے کہ یہ کیا ہوا تو آپ جواب دیتے ہیں کہ اس کی قسمت، میں نے تو بہت آدمیوں کو اسی تدبیر سے کنویں سے نکالا ہے۔ بس یہی حالت آج کل کے واعظوں کی تعلیم کی ہے تحت کو فوق پر (۳) قیاس کرتے ہیں اور

(۱) حقہ پی رہے ہیں (۲) دست آور دوا (۳) نیچے کو اوپر پر قیاس کرتے ہیں۔

عوام کا ناس کرتے ہیں ان ہی لوگوں کی نسبت عارف فرماتے ہیں ؎

خستگاں را چو کلب باشد وقوت نبود　　گر تو بیداد کنی شرط مروت نبود (۱)

واقعی ایک کاروباری آدمی کو یہ مجاہدہ بتلانا کہ چالیس دن تک تجارت وزراعت واہل وعیال سے الگ ہوکر ایک کونہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرے۔ بیداد وظلم ہے بلکہ ہر شخص کو اس کے مناسب حال طریقہ بتلانا چاہئے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

چار پارا قدر طاقت بار نہ　　برضیعفاں قدر ہمت کار نہ (۲)

نان وحلوا کے شعر میں تبدیلی

اس طرح واعظوں نے یہ شعر پڑھ پڑھ کر ؎

برزباں تسبیح ودردل گاؤ خر

عوام کو نماز وغیرہ سے متوحش کردیا ہے۔ یہ شعر مثنوی کا نہیں بلکہ نان وحلوا کا ہے جس کا مصنف شیعی ہے مگر نقال صوفی ہے کیونکہ ہر فن میں نقال بھی ہوتے ہیں اس لیے میں نے اس شعر کو یوں بدلا ہے ؎

برزباں تسبیح ودردل گاؤ خر　　ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر (۳)

یعنی گو نماز میں گاؤ خر کے وسواس آتے ہوں مگر پھر بھی نماز تسبیح کا اثر ضرور ہوتا ہے بیکار نہیں ہے ہاں ایک ذرا سی شرط ہے اور کیمیا تو ایک ہی چٹکی سے بنتی ہے وہ یہ کہ نماز وتسبیح کے وقت یہ ارادہ رکھو کہ اس نماز سے ہمارے وساوس وخطرات بھی دور ہوجاویں نماز کا شوق بھی پیدا ہوجائے۔ پھر اسی نماز سے ایک دن یہ حال ہوگا ؎

یوسف گم گشتہ باز آید بکنعان غم مخور　　کلبۂ احزان شود روزے گلستان غم مخور (۴)

مولانا فرماتے ہیں ؎

---

(۱) ''ضعیفوں میں جب طلب ہو اور قوت نہ ہو، اگر تو ان پر ظلم کرے تو یہ شرط مروت نہیں ہے''

(۲) ''چوپایوں پر طاقت اور اندازہ سے بوجھ رکھنا چاہئے، کمزوروں سے ہمت کے موافق کام لینا چاہئے''

(۳) ''زبان پر تسبیح اور دل میں گاؤ خر کا خیال ایسی تسبیح بھی اثر رکھتی ہے'' (۴) ''کنعان سے گم ہوا یوسف واپس آجائیگا فکر نہ کر۔ یہ اجڑا ہوا مکان ایک دن باغ ہوجائے گا فکر نہ کر''۔

اندریں رہ می تراش وے خراش تادم آخردمے فارغ مباش
تادم آخر دمے آخر بود کہ عنایت با تو صاحب سربود (۱)

سلوک جذب سے مقدم ہے

صاحبو! اعمال احوال سے مقدم ہیں۔ حصول احوال کا طریق یہ ہے (۲) کہ اعمال میں لگ جاؤ بدوں اس کے احوال حاصل نہیں ہوسکتے۔ قاعدہ کی رو سے سلوک ہی جذب سے (۳) مقدم ہے اور وہب کا ذکر نہیں مگر لوگ جذب کو مقدم کرنا چاہتے ہیں اور یہ سخت غلطی ہے۔ نصوص سے قاعدہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ سلوک جذب سے مقدم اور جذب سلوک پر مرتب ہوتا ہے (۴) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (۵) رحمت جذب ہے اور احسان سلوک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ رحمت الٰہی نیک کام کرنے والوں کے قریب ہے اور دوسری آیت میں یعنی اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (۶) میں جو اجتباء یعنی جذب کا مدار محض مشیت پر رکھا ہے وہ جذب موہوب ہے باقی کسب کے درجہ میں وہ ترتیب ہے جس کو اسی آیت کے دوسرے جملہ میں فرمایا ہی يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (۷)۔ بحرحال دلائل سے ثابت ہے کہ سلوک جذب (۸) پہ مقدم ہے اور سلوک ہی کی بدولت جذب کے درجہ قویہ کا تحمل ہوسکتا ہے (۹)۔ اور اگر جذب قوی سلوک سے مقدم ہوجائے تو اس کا تحمل بھی نہ ہوسکے۔ چنانچہ وحی بھی اسی جذب کی ایک قسم ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَوْ اَنْزَلْنَا

---

(۱) ''اس راہ سلوک میں ادھیڑ بن میں لگے رہو یعنی خوب کوشش کرو آخر دم تک بے کار نہ رہو آخری وقت تو کوئی گھڑی ایسی ضرور ہوگی جس میں عنایت ربانی تمہاری ہمراز اور رفیق بن جائے گی'' (۲) اگر ان اعمال کی کیفیت کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو عمل کرنا شروع کردے (۳) حالت سلوک یعنی دینی احکام پر عمل پیرا ہونا حالت جذب سے افضل ہے (۴) سلوک اختیار کروگے تو جذب کی کیفیت طاری ہوگی (۵) سورۃ الاعراف:۵۶ (۶) سورۃ الشوریٰ: ۱۳ (۷) سورۃ الشوریٰ: ۱۳ (۸) جذب وسلوک تربیت کے دوطریقے ہیں جذب یہ کہ طالب پر ذکروفکر کے ذریعہ سے محبت کا غلبہ کیا جائے اور اعمال زائدہ میں کم لگایا جائے اور اس طریق محبت کے ذریعہ اس کو مقصود تک پہنچایا جائے دوسرا طریق سلوک وہ یہ کہ تلاوت قرآن مجید اور نوافل میں زیادہ مشغول کیا جائے (شریعت وطریقت ص۳۶) (۹) آدمی مراتب سلوک طے کرتا ہے تو جذب جو من جانب اللہ ہوتا ہے اس کو برداشت کرسکتا ہے۔

هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ۔ (۱) یہ تو جبل کی نسبت فرمایا اور آپ کے قلب کی نسبت فرماتے ہیں فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ (۲) اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے قلب نے اس چیز کا تحمل کیا جبل سے نہیں ہوسکتا تھا (۳) پس یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کا دل تھا جس نے وحی الٰہی کے اس ثقل کا تحمل کیا ورنہ واقعات حدیثیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول وحی کے وقت اگر آپ اونٹنی پر سوار ہوتے تو اونٹنی آپ کو لے کر بیٹھ جاتی تھی اور نزول وحی کے وقت ایک صحابی کی ران پر آپ کا سر تھا تو انکی ران کے پھٹ جانے کا اندیشہ ہوا نیز سخت سردی کے موسم میں بھی نزول وحی کے وقت آپ کی پیشانی پسینہ پسینہ ہوجاتی تھی ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی میں ثقل باطنی کے ساتھ ثقل ظاہری (۴) بھی تھی اور جذب قوی کے دوسرے افراد ہیں گو اس درجہ کا ثقل نہ ہو لیکن اس ثقل کا تحمل بھی قبل سلوک کے نہیں ہوسکتا اس لیے مقتضائے حکمت یہی ہے کہ سلوک جذب سے مقدم ہوتا کہ جذب کا تحمل ہوجائے۔

نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ کی عجیب وغریب تفسیر

اور نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ کے متعلق ایک بات طلبہ کے کام کی یاد آئی گو مقام سے اجنبی ہے مگر استطراداً (۵) اسی آیت کی ذکر کے مناسبت سے بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ بعض اہل باطل کے نزدیک یہ الفاظ قرآنیہ منزل من اللہ نہیں ہیں اور ان کو نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ سے دھوکہ ہوا کہ اس میں محل نزول قرآن قلب کو فرمایا ہے اور قلب معانی کا مورد ہوتا ہے اور الفاظ کا مورد سمع ہوتا ہے (۶) نہ کہ قلب سو واقع میں یہی غلط ہے (۷) کیونکہ الفاظ دل میں بھی ہوتے ہیں چنانچہ ہر حافظ قرآن سوچ لے کہ الحمد للہ وغیرہ کے الفاظ دل میں ہیں یا نہیں یقینا ہیں اسی کو ایک شاعر کہتا ہے ؎

ان الکلام لفی الفواد وانما　　　جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا (۸)

---

(۱) سورۃ الحشر: ۲۱ (۲) اللہ نے اپنے کلام کو آپ کے قلب پر نازل کیا (۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دل نے اس ثقل کو برداشت کیا جو پہاڑ نہیں کرسکتا تھا (۴) باطنی بوجھ کے ساتھ ظاہری بوجھ بھی تھا (۵) ضمناً (۶) قلب میں معانی آتے ہیں جبکہ کان الفاظ کو سنتے ہیں نہ کہ دل (۷) حقیقتاً یہ بات غلط ہے کیونکہ الفاظ دل میں بھی ہوتے ہیں (۸) ''تحقیق کلام دل میں ہوتا ہے اور اسی وجہ سے زبان کو دل کے لیے نشان بنایا ہے''۔

البتہ اس پر یہ سوال ضرور ہوگا کہ گو قلب پر بھی الفاظ کا ورد ہوتا ہے مگر بواسطہ سمع کے ہوتا (۱) ہے تو یہاں سمع (۲) کا ذکر چھوڑ کر قلب کی قید کی کیا ضرورت تھی اس کا جواب ایک محقق نے خوب دیا ہے کہ مادری زبان اور غیر مادری زبان میں فرق ہوتا ہے غیر مادری زبان میں تو اول التفات الفاظ پر ہوتا ہے (۳) پھر معانی پر اور مادری زبان میں بالعکس ہے (۴) کہ التفات اول معانی پر ہوتا ہے پھر الفاظ کی خصوصیات پر گو خارج میں دونوں مقارن ہیں (۵) مگر التفات میں تقدم وتاخر (۶) ضرور ہے پس نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ میں اس امر کو بتلایا گیا ہے کہ چونکہ قرآن آپ کی مادری زبان میں نازل ہوا ہے اس لیے اس کا نزول اول آپ کے قلب پر ہوتا ہے یعنی الفاظ پر التفات ہونے سے پہلے قلب کو معانی کا ادراک ہوجاتا ہے واقعی یہ بات بہت عجیب ہے۔

قرآن پاک کو سب سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے

اور یہ بات اسی شخص کو معلوم ہوسکتی ہے جس کی عادات وطبائع (۷) پر نظر ہو۔ اسی لیے قرآن کو سب سے زیادہ وہ شخص سمجھتا ہے جو عادات وجذبات انسانیہ پر نظر رکھتا ہو نہ کہ دقائق منطقیہ پر کیونکہ قرآن میں جذبات وعادات کی رعایت بہت زیادہ ہے مصنفین کی طرح دقائق فلسفہ کی رعایت نہیں کی گئی یہ تو جملہ معترضہ تھا میں یہ کہہ رہا تھا کہ جذب کا تقدم مفید نہیں کیونکہ اس صورت میں اس کا تحمل اشد ہے (۸) اسی لیے ایسے لوگ جن پر سلوک سے پہلے جذب قوی طاری ہوتا ہے مجذوب ہوجاتے ہیں۔ جو نماز روزہ وغیرہ اعمال شرعیہ سے بھی محروم ہیں گو وہ مقبول ہیں مگر کامل نہیں بلکہ کاہل کہو تو ممکن ہے۔ ان کی ایسی مثال ہے جیسے چھوٹا بچہ کہ محبوب تو ہے مگر کامل نہیں بلکہ ہگتا موتتا پھرتا ہے۔ ننگا بھی رہتا ہے۔ اور بڑا بچہ محبوب بھی ہے اور کامل بھی ہے کہ تہذیب وادب کے ساتھ آراستہ ہے۔ پس مجذوب گو مقبول ہیں مگر کامل نہیں کیونکہ وہ اعمال سے محروم اور

(۱) دل میں بھی الفاظ آتے ہیں مگر بواسطہ کان کے (۲) سننے کا ذکر ترک کرکے دل کی قید کیوں لگائی (۳) پہلے الفاظ کی طرف متوجہ ہوتا ہے پھر معنی سمجھ میں آتے ہیں (۴) اس کا الٹ ہے کہ پہلے معنی کی طرف توجہ ہوتی ہے پھر الفاظ کی طرف (۵) دونوں ملے جلے ہیں (۶) مگر التفات میں آگے پیچھے کا فرق ہے (۷) جو عادتوں اور طبیعتوں سے واقف ہو (۸) اس کی برداشت مشکل ہے۔

ترقی اعمال ہی سے ہوتی ہے ورنہ ارواح کو عالم ارواح سے عالم اجسام (۱) میں نہ بھیجا جاتا کیونکہ عالم ارواح میں ارواح حامل احوال تھیں مگر حامل اعمال نہ تھیں (۲) چنانچہ ارواح میں محبت اس درجہ تھی کہ اس کی محبت ہی کی وجہ سے حمل امانت (۳) پر آمادہ ہوگئیں اس کا منشا محبت ہی تھا ورنہ تمام عالم اس امانت کے تحمل سے عاجز تھا اور محبت کی منشا حمل ہونے کی طرف شیرازی نے بھی اشارہ فرمایا ہے ؎

آسماں بار امانت نتوانست کشید — قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند (۴)

باوجود یہ کہ حمل امانت کا اس کو امر بھی نہ ہوا تھا بلکہ محض استفسار ہی تھا (۵) جب محبوب کی طرف سے کلام ہوا تو عاشق کی کیا مجال تھی کہ امانت محبوب کے لیے تیار نہ ہوجاتا وہ تو ابتداء کلام ہی سے مست ہوگیا پھر یہ سوچ کر کہ امانت کے تحمل کے بعد مکالمت (۶) زیادہ ہوا کرے گی فوراً روح انسانی نے بار امانت (۷) کا تحمل کرلیا یہ تو محبت کی حالت تھی جو احوال میں سب سے اعلیٰ ہے۔ اب معرفت کی حالت دیکھئے کہ وہ مسئلہ توحید جس میں بڑے بڑے مدعیان عقل کو اختلاف ہوگیا اور ارواح انسانیہ نے عالم ارواح میں اس کو بدون فکر کے فوراً حل کردیا کہ جب سوال ہوا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تو معاً بلٰی (۸) کہہ دیا۔ یہ معرفت اضطراری تھی غرض محبت و معرفت دونوں ارواح کو حاصل تھیں۔ پھر کیا مصیبت تھی کہ ان کو عالم اجسام میں پھینک دیا گیا یہ وہ بات ہے کہ جس کو سوچ کر بعض مغلوبین تو بے چین ہوجاتے ہیں کہ ہائے ہم یہاں کیوں بھیجے گئے عالم ارواح ہی میں محبت و معرفت میں مستغرق رہتے تو اچھا تھا۔ چنانچہ مولانا نیاز اسی بے چینی کی حالت میں فرماتے ہیں ؎

کیا ہی چین خواب عدم میں تھا نہ تھا زلف یار کا کچھ پتہ
سو جگا کے شور ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا

(۱) روحوں کو جسموں میں نہ بھیجا جاتا (۲) روحیں احوال کے بوجھ کو اٹھائے ہوئے تھیں لیکن اعمال سے کوری تھیں (۳) اللہ سے محبت اس درجہ تھی کہ اسی کی وجہ سے احکام قرآن کی امانت اٹھانے کے لیے تیار ہوگئیں (۴) ''امانت کا بوجھ آسمان نہ اٹھا سکا فال کا بھانسہ مجھ دیوانہ کے نام پر نکلا'' (۵) صرف پوچھا ہی تھا (۶) گفتگو کا زیادہ موقع ملے گا (۷) روح انسانی نے اس امانت کو اٹھانے کو تیار ہوگئی (۸) جب پوچھا گیا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو فوراً ہاں کیوں نہیں کہہ دیا۔

مراد وہ خیال جو ناسوت میں آکر از خود رفتہ کر رہا ہے۔

ارواح کو عالم اجسام میں کیوں بھیجا گیا

اہل ظاہر اس سوال کا جواب دیں کہ ارواح کو عالم اجسام میں بھیجا گیا۔ کیا چیز ان کو یہاں کھینچ کر لائی۔ حضرت وہ وہ چیز ہے جس کو اہل ظاہر نہیں سمجھ سکتے۔ سنئے یہاں ارواح کو بھیجنے سے مقصود قرب (۱) حاصل کرنا تھا۔ یعنی وہ قرب جو اعمال سے ہوتا ہے اور احوال سے نہیں ہوتا کیونکہ اعمال اختیاری ہیں اور احوال غیر اختیاری اور اس قرب کا مدار صرف اختیار پر ہے اور بہت سے اعمال وہاں یعنی عالم ارواح میں ممکن نہ تھے۔ کیونکہ بعض اعمال کا تعلق جسد سے ہے (۲) اور وہاں روح مجرد (۳) تھی مثلاً روزہ کیسے رکھا جاتا کیونکہ بھوک ہی نہ تھی۔ حج کیسے ہوتا وہاں خانہ کعبہ ہی نہ تھا۔ زکوٰۃ کیسے ادا ہوتی وہاں مال ہی نہ تھا۔ اور مصائب پر صبر کیسے ہوتا وہاں بیماری اور موت ہی نہ تھی۔ پس یہ قرب خاص، اعمال پر موقوف تھا اس لیے حکمت حق مقتضی ہوئی کہ ارواح کو عالم اجسام میں بھیجا جائے تاکہ قرب خاص حاصل ہو۔ یہ ہے سلوک پھر اس کے بعد جذب حاصل ہوتا ہے مگر چونکہ اثناء سلوک میں استعداد کامل ہو جاتی ہے اس لیے اب اس کے جذب کا ایسا غلبہ نہیں ہوتا کہ حواس معطل ہو جائیں (۴) اور اعمال سے محروم ہو جائیں۔

کاملین پر بھی بعض دفعہ غلبہ احوال ہوتا ہے

اسی تفاوت استعداد کے سبب مبتدیوں پر احوال کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے اور متوسطین پر ان سے کم اور منتہی پر سب سے کم۔ اور منتہی پر گاہ گاہ غلبۂ احوال کا ہونا یہ ایک غیر مشہور مسئلہ ہے جو شاید اس سے پہلے نہ سنا ہو۔ سالکین کا عام طور پر خیال یہ ہے کہ کاملین پر غلبۂ احوال بالکل نہیں ہوتا مگر یہ صحیح نہیں کاملین پر بھی بعض دفعہ غلبہ ہوتا ہے جس کی دلیل نصوص میں بھی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ ؑ کے قول کو رَبِّ لَوۡ شِئۡتَ اَهۡلَكۡتَهُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنۡ هِيَ اِلَّا

(۱) اللہ کا قرب (۲) جسم (۳) وہاں ارواح جسم سے، عاری تھیں (۴) حواس خراب ہو جائیں۔

فِتْنَتُكَ ۗ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۔(۱)

بعض مفسرین نے ادلال (۲) پر محمول کیا ہے اور ادلال غلبۂ حال میں ہوتا ہے۔ مگر میں نے اپنی تفسیر میں اس کو ادلال سے نکال دیا ہے اور صحو (۳) کی حالت کے مناسب تفسیر کی ہے۔ کیونکہ انبیاء میں صحو اصل ہے اور سکرنا (۴) درتو جب تک صحو پر محمول ہوسکے ادلال پر محمول (۵) کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ خیر یہ آیت تو محتمل ہے مگر حدیث اس میں صریح ہے یعنی جب غزوہ بدر میں مسلمانوں کی مختصر جماعت کفار کے بڑے لشکر کے مقابل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل اسلام کی نصرت وفتح کے لیے دعا فرمائی۔ اور دعا میں اس قدر الحاح فرمایا کہ یہ الفاظ آپ کی زبان سے صادر ہوئے اللھم ان تھلک ھذہ العصابة لم تعبد بعد الیوم (۶) آخر یہ کیا تھا یہ واقعی ادلال (۷) تھا یہاں اس کے سوا کوئی احتمال ہی نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاءؑ پر بھی کبھی غلبۂ حال ہوتا ہے۔ اور احادیث سے تو ملائکہ پر بھی غلبۂ حال ہونا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ میری وہ حالت دیکھنے کے قابل تھی کہ جب فرعون ڈوبنے لگا اور اس کی زبان سے نکلا اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ ۔ میں اس کے منہ میں کیچڑ ٹھونستا تھا کہ کہیں اس پر رحمت نہ ہوجائے۔ حضرت محبت حق چین سے نہیں بیٹھنے دیتی نہ کسی کامل کو نہ فرشتہ کو۔ حضرت جبرائیلؑ کے اس فعل کو غلبۂ حال پر محمول نہ کیا جائے تو سخت اشکال واقع ہوتا ہے اگر ایمان مطلوب اعظم ہے اور حضرت جبرائیلؑ اسی کے

(۱) ’’اے میرے پروردگار اگر آپ کو یہ منظور ہوتا تو آپ اس کے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتے۔ کہیں آپ ہم میں کے چند بیوقوفوں کی حرکت پر ہم سب کو ہلاک کردینگے یہ واقعہ آپ کی طرف سے محض ایک امتحان ہے ایسے (امتحانات) سے جس کو آپ چاہیں گمراہی میں ڈال دیں اور جس کو آپ چاہیں ہدایت پر قائم رکھیں‘‘ (بیان القرآن) الاعراف:۱۵۵ (۲) ادلال کے معنی ناز کے ہیں یہ ایک حال ہوتا ہے اس حالت میں بعض مرتبہ ایسے کلمات منہ سے نکلتا ہے کہ عام حالات میں کہے تو مردود ہوجائے (شریعت وطریقت ۹۵ (۳) ہوش مندی (۴) مدہوشی کی حالت جب ہوش مندی پر محمول ہوسکتا ہے تو حیرانی کی حالت پر محمول کرنے کی کیا ضرورت ہے (۵) ’’اے اللہ اگر یہ مختصر جماعت ہلاک ہوگئی تو آج کے بعد کوئی آپ کی عبادت نہ کرے گا‘‘ الصحیح لمسلم: ۱۳۸۳ (۶) ناز تھا۔

واسطے وحی لاتے ہیں مگر حضرت جبرائیلؑ کو فرعون کے ایمان پر غصہ آرہا ہے کہ یہ ایمان لاکر جہنم سے نہ بچ جائے۔ بس اس کی توجیہ یہی ہے کہ اس وقت حضرت جبرائیلؑ پر بغض فی اللہ کا اس قدر غلبہ تھا کہ مغلوب ہوگئے حالانکہ وہ بھی جانتے تھے کہ اس تدبیر سے کچھ نفع نہیں ہوسکتا کیونکہ ایمان کا تعلق اصلی قلب سے ہے اور تکلم بالایمان یعنی اقرار باللسان قدرت کے وقت فرائض اور کیچڑ ٹھونسنے کے بعد اس کی قدرت سلب ہوگئی تو اب تکلم کا فرض اس کے ذمہ سے ساقط ہوگیا۔ نیز حضرت جبرائیلؑ جانتے تھے کہ اس وقت کا ایمان معتبر نہیں کیونکہ عالم آخرت کے بعد ایمان معتبر نہیں مگر پھر بھی حضرت جبرائیلؑ نے ایسا کام کیا جس کی کوئی غایت نہ تھی حالانکہ وہ بڑے درجہ کے فرشتہ ہیں جن کی تعریف میں عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ (۱)۔ وارد ہے بس منشاء اس فعل کا وہی ہے کہ حضرت جبرائیلؑ پر بغض فی اللہ کا غلبہ تھا (۲)۔ بہرحال یہ مسئلہ نصوص سے ثابت ہے کہ کاملین پر بھی کبھی غلبہ ہوتا ہے ہاں اتنا فرق ہے کہ منتہی کو ایسے وقائع کم پیش آتے ہیں (۳) اور متوسط کو زیادہ (۴) جیسے مشاق سوار (۵) بھی گرتا ہے اور مگر کم اور سیکھتڑ (۶) زیادہ گرتا ہے تو جذب کاملین کو بھی نچاتا ہے جیسا کہا گیا ہے ؎

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم جنید وشبلی وعطار شد مست (۶)

اب اگر یہ جذب سلوک سے پہلے سے کسی کو حاصل ہوجائے تو سمجھ لیجئے کیا حال ہوگا۔ یقیناً اعمال سے معطل ہوجائے گا (۷)۔ اور بعض دفعہ ممکن ہے کہ ہلاک بھی ہوجائے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ اور ایک بھٹیارہ کی حکایت

چنانچہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی توجہ سے ایک شخص مر گیا تھا۔ حضرت خاتم مثنوی نے یہ قصہ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب متوکل تھے بعض دفعہ فاقہ بھی ہوتا۔ چنانچہ ایک دن حضرت کے یہاں فاقہ تھا اتفاق سے اسی دن مہمان آگئے۔ حضرت کو

(۱) عرش کے پاس رہنے والے فرشتوں کے سردار اور پھر امانت دار ہیں (۲) اللہ کے دشمنوں سے بغض رکھنے کا غلبہ تھا (۳) جو اصلاح کرا کر آخری درجہ میں پہنچ گیا ہو اس کو ایسے واقعات کم بیش آتے ہیں (۴) درمیانہ درجہ کے سالک کو زیادہ (۵) ماہر گھڑ سوار (۶) جو گھوڑا سواری سیکھ رہا ہو (۶) ''نہ میں ہی تنہا (اکیلا) اس میخانہ میں مست ہوں۔ بلکہ جنید اور شبلی اور شیخ فریدالدین سب مست ہوچکے ہیں'' (۷) اعمال کرنا چھوڑ دے گا۔

ہو مہمانوں کی وجہ سے فکر ہوا۔ ایک بھٹیارہ حضرت کا معتقد تھا اس کو حضرت کی فکر کا احساس ہوا تو وہ فوراً کھانا سب مہمانوں کے لیے تیار کر کے لایا۔ حضرت کو اس سے بے حد خوشی ہوئی اور جوش مسرت میں فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ بھٹیارہ نے کہا کہ حضرت وعدہ کر لیجئے کہ جو میں مانگوں گا آپ دیں گے فرمایا ہاں میرے پاس جو کچھ ہے اس میں سے مانگو گے تو دوں گا۔ کہا میں ایسی چیز مانگوں گا جو آپ کے پاس ہے۔ فرمایا ہاں ہاں مانگو۔ کہا مجھے اپنے جیسا کر لیجئے۔ حضرت نے فرمایا ؎

آرزو می خواہ لیک اندازہ خواہ   برنتابد کوہ را یک برگ کاہ (۱)

بہت سمجھایا کہ یہ بات تمہارے تحمل (۲) سے زیادہ ہے۔ اس ہوس سے باز آؤ مگر اس نے نہ مانا۔ جب اس کا اصرار بڑھتا ہی گیا تو اپنے حجرہ میں لے جا کر توجہ اتحادی ڈالی (۳) جس کا یہ اثر ہوا کہ توجہ کے بعد جو دونوں حجرہ کے باہر آئے تو صورت میں بھی اتحاد ہو گیا تھا (۴)۔ کسی کو یہ امتیاز نہ ہوتا تھا کہ خواجہ صاحب کون سے ہیں اور بھٹیارہ کونسا ہے صرف یہ فرق تھا کہ بھٹیارہ پر اضراب (۵) غالب تھا اور حضرت پر سکون مگر نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی دیر کے بعد بھٹیارہ (۶) مر گیا اس سے تحمل نہ ہو سکا (۷) کیونکہ سلوک سے جذب قوی وارد ہو گیا تھا۔ رہا یہ کہ پھر خواجہ صاحب نے اس کی درخواست کو کیوں منظور کیا اور ایسی توجہ کیوں دی جس سے ہلاکت واقع ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کو یہ معلوم نہ تھا کہ مر ہی جائے گا۔ یہ خیال ہوگا کہ بہت مجذوب ہو جائے گا۔ لیکن اس درجہ ضعف کا علم نہ تھا کہ زندہ بھی نہ رہے گا کیونکہ دوسرے کا ضعف پوری طرح معلوم نہیں ہو سکتا۔

حضرات نقشبندیہ سلاطین اور حضرات چشتیہ مساکین ہیں

نقشبندیہ کے یہاں توجہ اور تصرف بہت زیادہ ہے۔ یہ حضرات سلاطین ہیں یہ دوسروں پر بھی تصرف کرتے ہیں اور چشتیہ مساکین ہیں ان کا سارا تصرف اپنی ہی ذات پر ہوتا ہے ضرب بھی اپنی ہی ذات پر ہے اور سوزش وشورش بھی ان کا تو وہ حال ہے ؎

(۱) ''جو کچھ مانگو اندازہ سے مانگو۔ گھاس کا ایک پتہ پہاڑ نہیں اکھاڑ سکتا (۲) برداشت سے زائد ہے (۳) ایسی توجہ ڈالی کہ جس سے ان کی صفات اس میں منتقل ہو جائیں (۴) شکل بھی ایک سی تھی (۵) بے چینی غالب تھی (۶) روٹی پکانے والا نانبائی (۷) برداشت نہ کر سکا۔

افروختن و سوختن جامہ دریدن پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت (۱)

پس جذب اگر سلوک سے مقدم ہوتا ہے تو ہلاکت ہوتی ہے یا اعمال سے تعطل ہوتا (۲) ہے اور دونوں حالتوں میں ترقی بند۔ کیونکہ ترقی اعمال سے ہوتی ہے اور اسی لیے مسلمان کے لیے طول حیات موت سے افضل ہے (۳) جبکہ وہ اپنی زندگی میں اعمال صالحہ کرے کیونکہ اعمال سے ترقی ہوتی ہے۔

اعمال صالحہ کے ساتھ مسلمان کے لیے طول حیات افضل ہے

حدیث میں ہے کہ دو شخص ساتھ ساتھ مسلمان ہوئے تھے ان میں سے ایک تو شہید ہوگیا اور دوسرے رفیق کا ایک ہفتہ کے بعد بستر پر انتقال ہوا تو حضرات صحابہؓ نے دوسرے کو یہ دعا دی اللھم الحقہ بصاحبہ کہ اے اللہ اس کو اس کے ساتھی کے ساتھ ملا دیجئے یعنی اس کو بھی وہی درجہ عطا فرمایئے جو اس کے رفیق کو بوجہ شہادت ملا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ کیا کہا۔ سبحان اللہ حضرات صحابہؓ کی بھی کیا شان تھی کہ ان کو ہر وقت بارگاہ وحی سے فیضان علوم ہوتا تھا (۴)۔ اور الحمد للہ ہم بھی صاحب نصیب ہیں کہ ہم پر بھی ہر دم فیضان ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ وہاں فیضان بالمشافہ تھا۔ یہاں بواسطہ ہے اور یہ فرق ایسا ہے جیسے ایک شخص سے محبوب سامنے ہوکر باتیں کرے اور ایک سے پردہ میں ہوکر باتیں کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کو بھی فیضان ہو رہا ہے مگر بواسطہ کیونکہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متجلی ہیں (۵) جیسا قرآن میں اللہ تعالیٰ شانہ، جلوہ فرما ہیں اس پر مجھے مخفی کا شعر یاد آتا ہے ؎

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارو در سخن بیند مرا (۶)

جب ایک معمولی شاعر کا یہ دعویٰ ہے جو مجھے دیکھنا چاہے میرے کلام میں مجھے

(۱) ’’روشن ہونا اور جلنا اور کپڑے پھاڑنا۔ پروانہ اور شمع اور گل نے مجھ سے سیکھا ہے‘‘ (۲) اگر سلوک کے طریق کو طے کرنے سے پہلے جذب کی کیفیت طاری ہوجائے تو یا آدمی ہلاک ہوجاتا ہے یا اعمال ترک کر دیتا ہے (۳) طویل زندگی موت سے بہتر ہے (۴) ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علوم حاصل ہوتے رہتے تھے (۵) احادیث نبوی میں آپ ہی کا جلوہ کارفرما ہے (۶) ’’میں اپنے کلام میں اس طرح پوشیدہ ہوں جیسے پھول کی خوشبو پھول کی پتی میں جو مجھ سے ملاقات کا شوق رکھتا ہے میرا کلام دیکھے‘‘۔

دیکھ لے حالانکہ وہ کلام کی کوئی عظمت نہیں رکھتا تو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی تو بڑی شان ہے وہ تو واقعی جلوہ گاہ متکلم ہے۔ پس اب یوں کہیں گے

ہنوز آں ابر رحمت در فشاں ست خم وخمخانہ بامہرو نشاں ست (۱)

اگر یہ دولت بھی نہ ہوتی تو عشاق کی زندگی کس طرح ہوتی ہم تو اس حدیث سے زندہ ہیں۔ لا یزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق لا یضرهم من خذ لهم (۲) جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بشارت دی ہے کہ ان شاء اللہ قرب قیامت تک قرآن وحدیث وعلوم حقہ محفوظ رہیں گے ورنہ آج کل تو جو حالت مسلمانوں کو پیش آرہی ہے کہ ہر طرف مسلمان نرغہ میں ہیں اور کفار دینِ حق کو مٹانا چاہتے اس کو دیکھ کر بعض دفعہ خطرہ ہوتا تھا کہ کہیں علوم اسلامیہ فنا نہ ہوجائیں مگر اس حدیث نے تسلی کردی۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی اس دعا کو سن کر اللهم الحقه بصاحبه۔ (۳) فرمایا کہ تم نے یہ کیا کہا کہ اس کو پہلے شخص سے ملا دیا جائے جس سے اس شخص کا ادنی ہونا معلوم ہوتا ہے آخر اس نے جو اس کے بعد عمل کئے ہیں وہ کہاں گئے بخدا ان اعمال کی وجہ سے جو اس نے اپنے ساتھی کے بعد کئے ہیں دونوں کے درجہ میں اتنا تفاوت ہے جتنا آسمان وزمین میں تفاوت ہے کیونکہ اس نے اس کے بعد نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں، ذکر اللہ کیا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے لیے طویل حیات افضل ہے جبکہ اعمال صالحہ کے ساتھ زندگی ہو۔

شہادت کی فضیلت علی الاطلاق نہیں ہے

یہاں ایک شبہ ہوتا ہے میں اس کو بھی رفع کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ دوسرے شخص نے گو پہلے کے بعد اعمال صالحہ بہت کچھ کئے تھے مگر پہلے کو تو شہادت حاصل ہوئی تھی دوسرے کو حاصل نہیں ہوئی اور شہادت کو دوسرے اعمال سے ایسی نسبت ہے کہ سوسنار کی ایک لوہار کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شہادت کی فضیلت علی الاطلاق نہیں ہے ورنہ لازم آئے

(۱) ''ابھی وہ رحمت کا ابر موتی برسا رہا ہے، اور شراب خانہ محبت سے لبریز ہے'' (۲) ''میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی لوگوں کا گمراہ ہونا ان کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا'' سنن ابن ماجہ: ۱۰ (۳) ''یا اللہ اسکو اپنے ساتھی کے درجہ میں پہنچا دے''۔

گا کہ شہید انبیاء سے بھی افضل ہو۔ دوسرے یہ کہ تمنائے شہادت بجائے شہادت ہے (۱) حدیث میں ہے انما الاعمال بالنیات (۲)۔ نیة المومن خیر من عمله (۳) دوسری حدیث میں ہے من طلب الشهادة صادقاً من قبله اعطیها ولولم تصبه۔ (۴)

اور اگر کسی کے قلب میں تمنائے شہادت بھی نہ ہو تو اس کا ایمان ناقص ہے حدیث میں ہے من لم یغزِ ولم تحدث به نفسه لقی اللّٰه وفی دینه ثلمة اور بحمد اللّٰه ہر مسلمان ان کے لیے آمادہ ہے کہ اگر دین کے واسطے جان دینے کی نوبت آئے تو جان دینے کو حاضر ہیں اور جب ہم جیسے مہمل بھی اس کے لیے آمادہ ہیں تو وہ صحابی اس کے طالب اور اس کے لیے آمادہ کیوں نہ ہوں گے اور اسی بنا پر ہم کہیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ظاہری شہادت خفیہ حضرت حمزہؓ کی شہادت جلیہ سے افضل ہے گو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہری شہادت حاصل نہیں ہوئی مگر آپ کو اس کی تمنا تو بے حد تھی حدیث ہے وددت ان اقتل فی سبیل اللّٰه ثم احی ثم اقتل ثم احی ثم اقتل (۵) اور بعض دفعہ ذکر خفی ذکر جلی سے افضل ہوتا ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت خفیہ دوسروں کی شہادت جلیہ سے افضل ہے اور اگر اس قاعدہ شرعیہ کو تسلیم نہ کیا جائے تو سخت اشکال وارد ہو کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض کمالات حاصل نہیں ہوئے اور یقینا شہادت بھی کمالات میں سے ہے پس یہ اشکال اسی تقریر سے رفع ہو جائے گا جو میں نے نصوص حدیث سے بیان کی ہے۔

شہادت کی فضیلت کا سبب

تیسرے یہ بھی تو دیکھو کہ شہادت کی فضیلت کس وجہ سے ہے۔ سو ظاہر ہے کہ شہادت کے دو جزء ہیں ایک اقدام یعنی اعداء اللہ کی طرف پیش قدمی کرنا ان پر حملہ کرنا۔ دوسرے گردن کٹ جانا۔ اور قواعد سے یہ بات معلوم ہے کہ مبنیٰ فضیلت کا امور اختیاریہ

(۱) شہادت کے متمنی کو بھی شہادت ہی کا درجہ ملتا ہے (۲) ''اعمال کا دارومدار نیت پر ہے'' (۳) ''مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے'' المعجم الکبیر للطبرانی: ۶/ ۲۲۸ (۴) ''جس نے صدق دل سے شہادت کے درجہ کو طلب کیا اس کو وہ درجہ عطا کیا جائے اگرچہ وہ شہید نہ ہو'' الصحیح لمسلم الامارۃ: ۱۵۶، رواہ مسلم (۵) ''میری خواہش ہے کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرتا ہوا شہید ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید ہو جاؤں'' تاریخ بغداد للخطیب: ۴/ ۷ (الحدیث)۔

ہیں تو اب خود سمجھ لو کہ ان دونوں میں امر اختیاری کونسا ہے، ظاہر ہے کہ اقدام ہی (۱) اختیاری ہے گردن کٹ جانا اختیاری نہیں یہ تو دوسرے فعل پر موقوف ہے۔ جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب سمجھو کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم اقدام میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ حضرات صحابہؓ خود فرماتے ہیں کہ ہم میں بڑا بہادر وہ شمار ہوتا تھا جو معرکۂ جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آگے دشمن کی صف میں گھسے رہتے تھے تو شہادت کا جو مبنی اختیاری ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس میں سب سے افضل تھے لہٰذا آپ کی شہادت بھی سب سے افضل ہے۔ چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بعض اعمال کا اجر بے حساب ہے چنانچہ ذکر اللہ کے فضائل جو احادیث میں مذکور ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے ذکر اللہ شہادت سے بھی افضل ہے جس کی وجہ میری سمجھ میں آتی ہے کہ شہادت میں تو جو کچھ ہونا ہوتا ہے ایک دفعہ ہوجاتا ہے۔ تلوار کے ایک ہاتھ میں فیصلہ ہوجاتا ہے اور ذکر اللہ میں ہر دم دل پر آرا چلتا ہے ذاکرین کی حالت دیکھ لی جائے کہ ان پر کیسی کیسی حالتیں گزرتی ہیں ؎

بردل سالک ہزاراں غم بود گرز باغ دل خلالے کم بود (۲)

اور اس حالت کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا زیبا ہے کہ ؎

کشتگان خنجر تسلیم را ہرزمان ازغیب جانے دیگرست (۳)

کہ ان کے لیے تو بار بار موت وحیات کا تکرار ہوتا رہتا ہے۔ (خصوصاً ذکر نفی اثبات میں تو ذاکر کامل کو بار بار موت وحیات کا تکرار ہونا بہت ظاہر ہے کما لا یخفی علی من لہ ذوق بالذکر مع المعرفۃ رزقناہ اللّٰہ تعالی دائمًا ابداً (۴) پس یہ مسلم نہیں کہ شہادت کی فضیلت علی الاطلاق ہے بلکہ بعض اعمال شہادت سے بھی افضل ہیں اور اب وہ اشکال مرتفع ہوگیا جو اس حدیث پر وارد ہوا تھا۔

---

(۱) دشمن کی طرف پیش قدمی کرنا (۲) ''اللہ والے کے دل پر ہزاروں غم ہوتے ہیں۔ اگرچہ دل کے باغ میں گنجائش کم ہوتی ہے'' (۳) ''خنجر تسلیم سے مرنے والوں کے لیے ہر وقت اللہ کی طرف سے دوسری جان موجود ہے'' (۴) ''یہ بات اس شخص پر مخفی نہیں ہے جس کو معرفت الٰہی کے ساتھ ذکر کی لذت کا مزہ لگ چکا اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ ہمیں یہ ذوق عطا فرمائے''۔

شہادت سے بغیر مشقت کے درجات مل جاتے ہیں

ہاں یہ ضرور ہے کہ شہادت سے درجات بے مشقت مل جاتے ہیں۔ دوسرے طرق میں جو شہادت سے افضل ہیں مشقت ضرور ہے شہادت سے بے مشقت درجات ملنے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔

لکھنؤ میں ایک خان صاحب تھے جو نہ نماز پڑھتے نہ روزہ رکھتے تھے جب کوئی ان کو اصلاح اعمال کے لیے کہتا اور اس کا ثمرہ حصول جنت اور نجات دوزخ بتلاتا تو کہتے میاں جہاں تلوار کے دو ہاتھ ادھر دو ہاتھ اُدھر مارے تو سب کائی سے پھٹتی چلی جائے گی اور جنت میں جا پہنچیں گے۔ وہاں پہنچنا مشکل ہے لوگ ان کی باتوں پر ہنستے تھے پھر جس وقت مولانا امیر علی صاحب کے پاس آئے اور پوچھا کہ مولانا کیا مجھ جیسا فاسق بھی خدا کے یہاں مقبول ہوسکتا ہے اور شہادت سے میری بھی مغفرت ہوجائے گی فرمایا مقبولیت سے کیا چیز مانع ہے یقینا شہادت سے جنت ملے گی۔ یہ سنتے ہی خان صاحب نے تلوار ہاتھ میں لی اور دو ہاتھ ادھر مارے اور دو ہاتھ ادھر بہت سے کافروں کو مار کر خود بھی شہید ہوگئے سو واقعی تلوار کے دو ہاتھ میں کائی سی (۱) پھٹ گئی اور خان صاحب نے ذرا سی دیر میں جنت لے لی بس یہ ضرور ہے کہ شہادت سے بے مشقت ذرا سی دیر میں درجات مل جاتے ہیں یہ بات دوسرے اعمال میں نہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا کوئی عمل شہادت کے برابر نہ ہو۔ یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ میں نے کہا تھا کہ مسلمان کے لیے طول حیات مع الاعمال افضل ہے اور احوال سے اعمال افضل ہیں اور جذب کے تقدیم میں یا جان کا خطرہ ہے یا اعمال سے تعطل کا اندیشہ پس تم اعمال کی اتنی بے وقعتی نہ کرو کہ اگر احوال نہ ہوں تو اعمال ہی سے ہاتھ دھولو۔

نماز حظ نفس کے لیے نہ پڑھو

اگر کسی کا ذکر اللہ یا نماز میں دل نہ لگے تو اس کو چاہیے کہ ذکر و نماز کو ترک نہ کرے بلکہ ہمت کر کے کام میں لگا رہے کیونکہ

---

(۱) تلوار کی دو ہی ضربوں سے دفعتہ لشکر منتشر ہو گیا۔

گر مرادت را مذاق شکر ست بے مرادی نے مرادی دلبر است (۱)

اگر تم اعمال کے بعد اس پر بھی راضی نہ ہو اور تم کو اتنی بات بھی حاصل نہ ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ تم نے نماز وغیرہ اللہ کے واسطے نہیں پڑھی بلکہ حظ نفس کی (۲) نیت سے پڑھی ہے جیسے ایک گاؤں والے کی حکایت ہے کہ اس کو واعظ مولوی صاحب نے نماز کی نصیحت کی اس نے کہا کیا ملے گا مولوی صاحب نے کہا کہ اگر تو چالیس دن اس طرح نماز پڑھ لے کہ تکبیر تحریمہ فوت نہ ہو تو میں تجھے ایک بھینس دوں گا اور خیال تھا کہ اس طرح پڑھنے سے خود نماز ہی سے محبت ہو جاوے گی۔ پھر بھینس بھی نہ مانگے گا۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ چالیس دن پورے کر کے وہ مولوی صاحب کے پاس آیا کہ وعدہ پورا کرو مولوی صاحب نے کہا کیسا وعدہ میں نے تو اس لیے بات کہہ دی تھی کہ چالیس دن نماز پڑھنے سے تجھے عادت ہو جائے گی اس نے کہا اچھا یہ بات تھی تو جاؤ پھر یاروں نے بھی بے وضو ہی ٹرخائی ہے۔ اس ظالم کو جو چالیس دن بعد بھی نماز کا شوق نہ ہوا تو وجہ اس کی یہ تھی کہ اس نے اللہ کے واسطے نماز ہی نہ پڑھی تھی۔ اسی طرح جو لوگ طالب احوال ہیں ان کو بھی اعمال کا شوق نہیں ہوتا کیونکہ وہ رضائے حق کے طالب نہیں بلکہ اپنی مراد کے طالب ہیں اور یہ حالت صدق قلب کے خلاف ہے۔ صدق طلب کی شان یہ ہے کہ اگر ساری عمر بھی شوق و کیفیت پیدا نہ ہو تو اسی پر راضی رہے اور یوں کہے ؎

ارید وصاله ویرید هجری فاترک ما ارید لما یرید (۳)

عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

میل من سوئے وصال و میل او سوئے فراق ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست (۴)

عارف نے یہ بھی بتلا دیا ہے کہ عاشق کے نزدیک یہ عدم وصال بھی وصال ہی کے برابر ہے ؎

(۱) نفس کی خوشی کے لیے (۲) ’’اگر تیری مراد کا مذاق اچھا ہے۔ نامرادی سے امید مت رکھ مراد حاصل ہونے والی ہے‘‘ (۳) ’’میں ارادہ کرتا ہوں اس کے وصال کا اور وہ ارادہ کرتا ہے مجھ سے فراق کا پس میں چھوڑتا ہوں اپنے ارادہ کو اس کے ارادہ کے لیے‘‘ (۴) ’’میں اس سے ملاقات کی جستجو میں ہوں اور وہ مجھ سے علیحدگی چاہتا ہے میں نے اپنی سعی چھوڑ دی ہے تا کہ میرے محبوب کا کام بن جائے‘‘۔

فراق ووصل چہ باشد رضائے دوست طلب　　　که حیف باشد از و غیر او تمنائے (۱)

اور فراق ووصال کی تساوی (۲) کا جو حکم کیا ہے یہ وصال وفراق مزعوم ہے۔ یعنی فراق سے مراد قبض ہے جس میں احوال وکیفیات نہیں ہوتے (۳) اور وصال سے مراد بسط جس میں احوال وکیفیات کا ورود ہوتا ہے (۴) تو کہتے ہیں تم قبض وبسط کی فکر میں کیوں پڑے ہو بس رضائے دوست کو طلب کرو خواہ یہ رضا مضاف الی الفاعل ہو خواہ مضاف الی المفعول یعنی وہ رضا خواہ ادھر سے ہو خواہ ادھر سے۔

محققین رضا کے طالب ہیں

اگر تم کو رضائے حق کا یقین نہیں ہوسکتا تو اپنی رضا کا تو علم ہوسکتا ہے۔ پس تم ہر حال میں ان سے راضی رہو یہ بھی کافی ہے کیونکہ ؎

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف　　　گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف (۵)

رضا ہونی چاہئے خواہ کسی طرف سے ہو۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۔ علماء نے اس کے مرجع ضمیر میں گفتگو کی ہے کہ حضرت صدیق ہیں یا حق تعالیٰ مگر محققین نے کہا ہے دونوں صورتیں برابر ہیں۔ خدا تعالیٰ راضی ہوں جب بھی مراد حاصل ہے اور صدیق راضی ہوں جب بھی کیونکہ دونوں رضاؤں میں تلازم ہے۔ غرض محققین تو رضا کے طالب ہیں خواہ قبض ہو خواہ بسط وہ قبض کی حالت میں یوں کہتے ہیں ؎

چونکہ قبض آید تو دروے بسط بیں　　　تازہ باش وچیں میفگن بر جبین

چونکہ قبضے آیدت اے راہرو　　　آں صلاح تست آیس دل مشو (۶)

البتہ چونکہ قبض میں احتمال مسبب عن المعصیہ (۷) کا بھی ہوتا ہے اس لیے وہ

---

(۱) ''فراق ووصل کے جھگڑے بے کار ہیں دوست کی رضامندی طلب کر۔ اس سے غافل رہ کر تمنا کرنا بیکار ہے'' (۲) برابری (۳) ذکر وعبادت میں دل نہیں لگتا (۴) کیفیات کے وارد ہونے سے عبادات میں دل لگتا ہے (۵) ''اگر قسمت نے یاوری کی اس کا دامن پکڑلوں گا۔ اگر میں نے اپنی طرف کھینچ لیا تو اچھا ہے اور اگر اس نے کھینچ لیا بہت اچھا ہے'' (۶) ''جن کی تنگی معلوم ہو کشادگی کا خیال کر خوش رہ پیشانی پر بل مت لا۔ جب قبض تجھے پیش آوے اے سالک تیرے لیے بہتر ہے رنجیدہ مت ہو'' (۷) گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ۔

احتیاطاً قبض میں استغفار بھی کرتے ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

غم چو بینی زود استغفار کن غم بحکم خالق آمد کارکن (۱)

پس قبض کی حالت میں بھی مقصود سے مایوس نہ ہو بلکہ قبض اس اعتبار سے بڑی نعمت ہے کہ قبض کے بعد جو بسط ہوتا ہے وہ بڑا ہی قوی ہوتا ہے جیسے وہ پیاس بڑی نعمت ہے جس کے بعد صرف ٹھنڈا پانی ملنے کی امید ہو کیونکہ لطفِ برف پیاس ہی کے بعد ہے اسی طرح بسط کا لطف قبض کے بعد ہے۔ عارف اسی کو فرماتے ہیں ؎

از دست ہجر یار شکایت نمی کنم گر نیست غیبتے ندید لذتے حضور (۲)

یہ لفظ ہجر بفتح الہا ہے ایک دفعہ سعادت علی خان کی مجلس میں ریزیڈنٹ کے جو فارسی دانی کا مدعی تھا اس لفظ کی تحقیق میں کہا کہ یہ لفظ ہجر بکسر الہا ہے ان شاء اللہ خان نے کہا بے شک بجا ہے چنانچہ شاعر اس کی شہادت بھی دیتا ہے ؎

شب قدر ست طے شدہ نامہ ہجر سلام فیہ حتی مطلع الفجر (۳)

آپ نے فجر کو بکسر الفاء پڑھا ریزیڈنٹ شرمندہ ہو کر چپ ہو گیا۔ اسی طرح ایک دفعہ اسی ریزیڈنٹ نے کہا کہ سعدی کا یہ مصرع ؎

شاید کہ پلنگ خفتہ باشد (۴)

غلط مشہور ہو گیا ہے۔ صحیح خفیہ ہے۔ ان شاء اللہ خان نے کہا بے شک حضور سچ ہے کیونکہ دوسرا مصرعہ بھی اس کا موید ہے۔

تامرد سخن نکفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد (۵)

یہاں بھی ریزیڈنٹ بہت شرمندہ ہوا۔ ان شاء اللہ خان بڑا مسخرہ تھا اور وقت پر اس کو بڑی دور کی سوجھتی تھی ایک دفعہ یہ سعادت علی خان کے ساتھ ننگے سر کھانا کھا رہا

---

(۱) ''جب تجھ پر کوئی تکلیف آئے جلد توبہ (استغفار) کر کیونکہ اللہ ہی کے حکم سے تکلیف آتی ہے'' (۲) ''یار کی جدائی سے شکایت نہیں کرتا ہوں میں۔ جب جدائی نہ ہو حضوری میں مزہ نہیں آتا'' (۳) ''شب قدر سے ختم ہو گیا جدائی کا خط۔ سلامتی ہے اس میں سورج نکلنے تک'' (۴) ''شاید درندہ سوتا ہووے'' (۵) ''جب تک انسان بات نہ کرے اس کی بھلائی برائی معلوم نہیں ہو سکتی''۔

تھا سعادت علی خان نے چپکے سے ایک چپت اس کے رسید کیا تو آپ نیچے گردن کئے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ والد صاحب قبلہ کو غریق رحمت کرے یہ کہہ کر پھر کھانے میں مشغول ہو گیا۔ سعادت علی خان نے پوچھا کہ والد صاحب کی کیا بات یاد آ گئی کہا کچھ نہیں اس نے اصرار شروع کیا تو کہا والد صاحب قبلہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ ننگے سر کھانا کھانے سے شیطان چپت مارا کرتا ہے آج مجھے ان کی بات یاد آ گئی کہ واقعی وہ صحیح فرماتے تھے۔ اس جواب سے سعادت علی خان پر پانی پڑ گیا مگر پہلے زمانہ کے رؤسا علم اور اہل علم کے قدردان تھے۔ اس لیے ان سب باتوں کو گوارا کرتے تھے آج کل کے رؤسا کی طرح بد دماغ نہ تھے۔ خیر یہ تو درمیان میں ایک لفظی تحقیق پر چند لطیفے یاد آ گئے۔

قبض باعتبار آثار کے بسط سے زیادہ نافع ہے

اب ایک بات یہ بھی سمجھو کہ قبض باعتبار آثار کے بسط سے زیادہ نافع ہے (۱) کیونکہ بسط میں عجب کا خطرہ ہے (۲) اس میں اپنے کمالات پر نظر ہوتی ہے اور قبض میں اپنے اوپر نظر نہیں ہوتی بلکہ عجز و نیاز مندی کا غلبہ ہوتا ہے اس وقت انسان اپنے کو کتے اور فرعون سے بدتر سمجھتا ہے اور یہ بات اس شخص کے سمجھ میں نہیں آ سکتی جس پر یہ حال نہ گزرا ہو کیونکہ یہ ذوقی امر ہے جس پر گزرتی ہے وہی اس کو جانتا ہے اور یہ نہیں کہ اس وقت یہ شخص اپنے کو مومن نہیں سمجھتا۔ بلکہ اپنے کو مومن اور فرعون کو کافر سمجھ کر پھر بھی اپنے کو اس سے بدتر سمجھتا ہے۔ میں الفاظ سے اس حالت کی حقیقت کو نہیں بتلا سکتا تم اتنا سمجھ لو کہ اس کو اپنے مآل پر (۳) نظر ہوتی ہے کہ نہ معلوم مآل کیسا ہو۔ اور اس طریق میں عجز و نیاز ہی سے کام چلتا ہے۔ عجب و پندار سے (۴) کامیابی نہیں ہو سکتی۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ (۵)

اور فرماتے ہیں ؎

---

(۱) حالت قبض حالت بسط سے زیادہ مفید ہے (۲) تکبر کا اندیشہ ہے (۳) انجام (۴) تکبر اور خود پسندی سے کام نہیں چلتا (۵) "عقل و سمجھ تیز کرنے کا خیال نہیں ہو سکتا۔ جب تک اللہ کا فضل شامل حال نہ ہو"۔

ہر کجا پستی ست آب آنجارود ہر کجا مشکل جواب آنجا رود
ہر کجا دردے دوا آنجارود ہر کجا رنجے شفا آنجا رود (۱)

جس جگہ درد ہوتا ہے دوا اسی جگہ کام آتی ہے جس جگہ بیماری ہوتی ہے شفا اسی جگہ پر جاتی ہے۔

سالہا تو سنگ بودی دلخراش آزموں را یک زمانے خاک باش
دربہاراں کے شود سرسبز سنگ خاک سوتا گل بروید رنگ رنگ
ناز را روی بباید ہمچوں ورد چوں ندا ری گرد بدخوائی مگرد
ہمچو یوسف نازش وخوبی مکن جز نیاز وآہ یعقوبی مکن! (۲)

اب یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ چشتیہ کا مذاق کیسا اچھا ہے گو تمام صوفیہ کا یہی مذاق ہے مگر چشتیہ پر سب سے زیادہ اس کا غلبہ ہے کہ ؎

افروختن وسوختن وجامہ دریدن پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت (۳)

ساری عمر کے مجاہدات وریاضات کا حاصل

میں نے مولانا گنگوہیؒ سے سنا ہے کہ جس شخص کو ساری عمر کے مجاہدات وریاضات کے بعد یہ بات سمجھ میں آگئی ہے کہ مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا اس کو سب کچھ حاصل ہوگیا کیونکہ اس طریق کا حاصل یہی ہے بے حاصلی (۴)۔ اور جو یہ سمجھتا ہے کہ مجھے کچھ کمال حاصل ہوگیا وہ اس شعر کا مصداق ہے ؎

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے حاصل خواجہ بجز پندار نیست (۵)

اب قبض تو ایسا مفید مگر لوگ پھر بھی بسط ہی کے طالب ہیں اور تاویل یہ کرتے

(۱) ’’جہاں پستی ہو پانی وہیں جاتا ہے، جہاں مشکل پیش آئے جواب دیا جاتا ہے، جہاں درد ہو دوا دی جاتی ہے، جہاں رنج ہو شفا پہنچتی ہے‘‘ (۲) ’’برسوں سے تو سخت پتھر کی طرح ہے، امتحاناً تھوڑی دیر کے واسطے خاک ہوجا، موسم بہار میں پتھر سبز کب ہوتا ہے، خاک ہوجاتا کہ رنگ برنگ کے پھول اگیں، ناز کے لیے گلاب کا سا منہ چاہئے، جب تجھ میں عاجزی نہیں ہے تکبر مت کر، حضرت یوسفؑ کی طرح ناز انداز مت کر، یعقوبؑ کی طرح عاجزی اور آہ کر‘‘ (۳) ’’روشن ہونا اور جلنا کپڑے پھاڑنا، پروانہ اور گل شمع نے مجھ سے سیکھا ہے‘‘ (۴) سب کچھ حاصل ہونے پر بھی آدمی یہی سمجھے کہ مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا (۵) خواجہ خوش ہے کہ مجھے بڑا مرتبہ حاصل ہوگیا خواجہ کو سوائے تکبر کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔

ہیں کہ بسط میں سہولت زیادہ ہے۔ میں کہتا ہوں مگر سہولت ہی چہ ضرور (۱) جیسے کسی نے شعر میں بے موقع ایک لفظ کو مشدد کیا تھا جب اعتراض ہوا تو کہا ضرورت شعری سے ایسا کیا گیا۔ استاد نے کہا شعر گفتن چہ ضرور (۲)۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قبض میں قدرت عمل تو سلب نہیں ہوتی (۳) پس ہمت سے کام لو اور بدوں سہولت ہی (۴) کے عمل کرتے رہو سہولت کے طالب نہ ہو۔ ورنہ ایسی مثال ہوگئی جیسے ایک فقیر سلطنت کا طالب ہو اور یہ تاویل کرے کہ بادشاہ ہو جاؤں گا تو سہولت سے روٹی ملے گی تو کیا آپ اس طلب کو صحیح مانیں گے۔ ہرگز نہیں اور اگر یہ کہو کہ یہ طلب اس لیے صحیح نہیں کہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ فقیر بادشاہ ہو جائے اور یہ تو ہو سکتا ہے کہ عمل سہل ہو جائے۔ جواب یہ ہے کہ یہ کہنا کہ ایسا ہو نہیں سکتا غلط ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی پاگل بادشاہ مر جائے اور یہ وصیت کر جائے کہ شہر پناہ سے جو شخص سب سے پہلے داخل ہو اس کو بادشاہ بنا دیا جائے اور ایک فقیر کو اس طرح بادشاہت مل بھی چکی ہے پھر تخت پر بیٹھنے سے پہلے تو وہ فقیر تھا اور تخت پر بیٹھتے ہی شاہی دماغ عطا ہو گیا۔ چنانچہ دربار سے اٹھتے وقت اس نے وزیر کو اشارہ کیا کہ بغل میں ہاتھ دیکر اٹھائے کیونکہ سلاطین کا یہی قاعدہ تھا وزیر کو بڑی حیرت ہوئی کہ اس بھک منگے (۵) کو ایک دن میں یہ قواعد کیوں کر معلوم ہو گئے آخر پوچھا اس نے جواب دیا کہ جس خدا نے بے مشقت مجھے بادشاہت دی ہے اسی نے دفعۃً دماغ شاہی بھی عطا کر دیا ہے سچ ہے جب خدا حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے۔ اس لیے یہ طلب سلطنت محال کی طلب نہیں بلکہ احتمال کی طلب ہے گو اس احتمال کا پورا ہونا ایسا ہی ہے جیسے شیخ چلی کے احتمال کا پورا ہونا جیسے آج کل سوراج کی بہت شورش ہے۔ ہندوستانی بادشاہت کے طالب شاید تم کو ہی مل جائے احتمال تو ضروری ہے مگر بس احتمال ہی سے خوش ہو لو ورنہ یہ احتمال ایسا ہے جیسے ایک مولوی صاحب نے سیاہ کتے کو جھک کر سلام کیا تھا۔ کسی نے وجہ پوچھی تو کہا شاید جن ہو اور جنوں میں بھی بادشاہ ہو اور میرے سلام کی وجہ سے خوش ہو کر کچھ دیدے۔ بس ایسی ہی حالت آپ کی طلب کی ہے۔

---

(۱) سہولت ہی کی کیا ضرورت ہے (۲) شعر کہنا ہی کیا ضروری ہے (۳) عمل کرنے کی طاقت تو ختم نہیں ہوتی (۴) بلا سہولت (۵) بھیک مانگنے والے کو۔

سہولت کا منتظر رہنا غلطی ہے

یہ مسلم ہے کہ بسط میں سہولت ہوتی ہے (۱) مگر سہولت کا منتظر رہنا ہی غلطی ہے اس کے متعلق میرا ایک وعظ التحصیل والتسہیل ہے اس میں ایک جزو کی بہت تفصیل ہے خدا کرے جلد طبع ہوجائے تو اس کا مطالعہ مل جائے تو شکر کرو جیسے کسی کو عالی شان مکان ٹھنڈا مل جائے تو نعمت ہے یا برف کا ٹھنڈا پانی مل جائے تو نعمت ہے اور اگر نہ ملے تو کنویں ہی کے پانی سے راضی رہو۔ یہ کیا ضرور ہے کہ اسٹیشن پر جا کر لاؤ چاہے گھل کر سیر بھر کا آدھ پاؤ ہی رہ جائے (۲) ۔ اور جانے کی مشقت گرمی کی مصیبت جدا رہی (۳) ۔ پس سلامتی اس میں ہے کہ تم عمل کرتے رہو اگر حال مرتب ہوجائے تو شکر کرو اور نہ مرتب ہو تو مناسب تو یہی ہے کہ اس حال میں بھی شکر کرو ورنہ صبر کرو۔

سالک کو نہ ملنے پر بھی شکر کرنا چاہئے

ایک عارف نے ایک سالک سے پوچھا تھا کہ کس حال میں ہو کہا مقام توکل میں ہوں اگر ملتا ہے شکر کرتا ہوں نہیں ملتا تو صبر کرتا ہوں عارف نے کہا کہ اتنا تو بغداد کے کتے بھی کرتے ہیں۔ سالک کو تو یہ چاہئے کہ نہ ملنے پر بھی شکر کرے کہ یہ بھی نعمت ہے اس میں بھی حکمت عظیمہ ہوگی اسی کو عارف فرماتے ہیں ؎

تو بندگی چوگدایان بشرط مزد مکن   کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند (۴)

کیونکہ کیا معلوم تم کو زیادہ روٹی ملتی تو کیا حال ہوتا اس لیے نہ ملنے پر بھی شکر چاہئے۔ حضرت حاجی صاحب سے جب کوئی شخص ذکر میں حال وغیرہ نہ حاصل ہونے کی شکایت کرتا اور یہ کہتا کہ کچھ نفع نہیں معلوم ہوتا تو فرماتے کہ یہ کیا تھوڑا نفع ہے کہ تم خدا کا نام لے رہے ہو پھر یہ شعر پڑھتے ؎

(۱) یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ حالت بسط میں عبادات کی ادائیگی میں سہولت ہوتی ہے (۲) کہ دور سے برف لیکر آؤ گھر آتے آتے گھل کر ایک سیر کا ایک پاؤ رہ جائے (۳) دور جا کر برف لانے اور گرمی کی پریشانی الگ اٹھانی پڑی (۴) ”فقیروں کی طرح عبادت مزدوری پر مت کر۔ مالک تو خود ہی بندہ پروری کا طریقہ جانتا ہے“۔

یا بم اورایا نیا بم جستجوئے می کنم　　حاصل آیاد یا نیاید آرزوئے می کنم (۱)

واقعی ذکراللہ کی توفیق ہوجانا ہی بڑی نعمت ہے اس کے بعد اور کیا چاہتے ہو

شیطان سالک کے ہمیشہ درپے رہتا ہے

مولانا رومی نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک صوفی کو شیطان نے دھوکا دیا تم کو ذکر اللہ کرتے ہوئے بہت سال ہوگئے مگر اللہ کی طرف سے نہ کچھ پیام نہ جواب۔ جب وہاں شنوائی نہیں ہوتی تو خواہ مخواہ سر مارنے سے کیا فائدہ۔ سالک اس دھوکہ میں متاثر ہوگیا۔ آہ اس طریق میں بہت دھوکے ہیں کیونکہ شیطان سالک طریق کے درپے ہوجاتا ہے وہ اس کو طرح طرح سے بہکاتا ہے۔ اس لیے بہت احتیاط واہتمام کے ساتھ چلنا چاہئے۔

در رہ عشق وسوسۂ اہرمن بسے است　　ہشیار وگوش رابہ پیام سروش دار (۲)

پیام سروش سے مراد وحی ہے کہ شریعت کو پیش نظر رکھواور شیطان کے ہر دھوکہ کا جواب شارع علیہ السلام کے ارشادات سے حاصل کرو۔ اور شریعت کے خلاف ہرگز کسی بات کو دل میں جمنے نہ دو۔ مگر بعض سالک محبوب مراد ہوتے ہیں۔ ان کی دستگیری ایسے وقت میں غیب سے ہوتی ہے ان کو احتیاط واہتمام کی بھی ضرورت نہیں ہوتی چنانچہ یہ سالک مراد تھا اس کو شیطان نے دھوکہ دیا اور دھوکہ میں آگیا کہ رات کو سب معمولات ترک کر کے سو رہا۔ مگر غیب سے اس کی دستگیری ہوئی رات کو خواب میں کوئی لطیفہ غیبی آیا اور اس نے حق تعالیٰ کی طرف سے دریافت کیا کہ کیوں میاں صاحب آج تم ہم کو بھول ہی گئے کیا بات ہے۔ کیوں خفا ہوگئے کہا میں نے برسوں سے حق تعالیٰ کو یاد کیا جب اس طرف سے کوئی پیام وجواب تک نہ آیا تو میں نے سوچا وہ تو پوچھتے بھی نہیں پھر میں ہی کیوں سر ماروں لطیفہ غیبی نے ان کی طرف سے اس کو جواب دیا ؎

گفت آں اللہ تو لبیک ماست　　ویں نیاز وسوز ودردت پیک ماست (۳)

---

(۱) ''وہ ملے یا نہ ملے ہمیں تلاش کرنا چاہئے، نتیجہ نکلے یا نہ نکلے آرزو رکھنا چاہئے'' (۲) ''عشق کے رستہ میں اہرمن کا خیال ہی کافی ہے۔ ہوش رکھ اور کان کو اس کے احکام کی طرف لگا'' (۳) ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرا اللہ اللہ کرنا ہماری حاضری ہے۔ اور یہ عاجزی اور سوز اور درد تیرے واسطے ہمارا پیغام ہے''۔

کہ تمہارا یہ اللہ اللہ کرنا ہی تو ہمارا جواب ہے۔ یہی علامت قبول ہے اگر تم مردود ہوتے تو ہم زبان کو اپنے ذکر سے روک دیتے۔ جیسا کہ بہت سی مخلوق کو اپنے ذکر سے محروم کر رکھا ہے۔

اعمال صالحہ کے قبولیت کی علامت

ہمارے حاجی صاحبؒ اسی بنا پر فرمایا کرتے تھے کہ جب صبح کی نماز پڑھ کر ظہر کی توفیق ہو جائے تو یہ نماز صبح کی قبول کی علامت ہے اگر ان کو تمہارا دربار میں آنا ناگوار ہوتا تو دوسرے وقت گھسنے نہ دیتے۔ جیسے ایک قصائی کا بچھڑا مسجد میں گھس گیا تھا وہ اس کو پکڑنے آیا مؤذن نے دھمکایا کہ لوگ مسجدوں میں جانور گھسا دیتے ہیں تو قصائی نے جواب دیا کہ کیوں بڑبڑ کرتا ہے جانور تھا گھس گیا کبھی ہم کو بھی مسجد میں دیکھا ہے۔ حضرت یہی حال آپ کو ہوتا کہ مسجد میں گھسنے کی بھی توفیق نہ ہوتی۔ مولانا نے ایک آقا اور غلام کی حکایت لکھی ہے کہ دونوں بازار میں کسی کام کو گئے کہ راستہ میں اذان ہوگئی تو غلام نے آقا سے نماز کے لیے اجازت مانگی وہ نمازی تھا اور آقا بے نمازی تھا۔ اس نے اجازت دے دی غلام تو مسجد میں جا کر وضو نماز میں لگ گیا اور آقا مسجد کے باہر بیٹھ گیا غلام نماز سے فارغ ہو کر وظیفہ میں لگ گیا جب بہت دیر ہوگئی اور سب نمازی چلے گئے تو آقا نے پکارا کہ میاں کہاں رہ گئے آتے کیوں نہیں۔ کہا آنے نہیں دیتا پوچھا کون نہیں دیتا کہا جو تم کو مسجد کے اندر نہیں آنے دیتا وہ مجھ کو باہر نہیں آنے دیتا۔ واقعی جس کو وہ مردود کرتے ہیں وہ خود مسجد سے بھاگتا ہے جیسے گوہ پانی سے بھاگتی ہے اور مچھلی پانی کی عاشق ہے وہ ہر دم پانی ہی میں رہنا چاہتی ہے اسی لیے علماء کا قول ہے۔

المؤمن فی المسجد کا السمك فی الماء والمنافق فی المسجد کالطیر فی القفس۔(۱)

پس یہ بڑی دولت ہے کہ کسی کو ذکر اللہ کی توفیق ہو جائے ورنہ وہ نام تو ایسا ہے کہ اس کے لینے کی ہم جیسوں کو اجازت بھی نہ ہوتی جیسا کہا گیا ہے

(۱) ''مومن مسجد میں پانی میں مچھلی کی طرح اور منافق مسجد میں پنجرہ میں پرندہ کی طرح'' کشف الخفاء للعجلونی:۲/۴۰۶

ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب   ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست (۱)

اور دیکھنے میں ہم آپس میں اپنے کسی بڑے کا نام بدوں القاب کے نہیں لے سکتے۔ کیونکہ صرف نام لینے سے ناخوش ہوتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ یا اللہ کہنے سے خوش ہوتے ہیں پس تم کیا ذوق وشوق لئے پھرتے ہو کام میں لگو اور اس نعمت کی بے قدری نہ کرو کہیں یہ نعمت بھی سلب نہ ہو جائے۔

بلا بودے اگر اینہم نبودے (۲)

تم اپنا کام کرو دوسروں کے کام کے پیچھے کیوں پڑے۔

ہو کار خود کن، کار بیگانہ مکن (۳)

ذوق وشوق عطا کرنا (۴) ان کا کام ہے یہ تمہارے اختیار سے باہر ہے تم اس کے درپے نہ ہو جو کام تمہارے اختیار کا ہے اس میں لگو۔ یہ ہے مذہب اہل تحقیق کا اور راحت اسی میں ہے کہ حال وذوق مل جائے تو عنایت (۵) نہ ملے تو عنایت تم ہر حال میں راضی رہو بعض عشاق تو یہاں تک راضی ہیں کہ ہم کو جہنم بھی بھیج دیا جائے تو اس پر بھی راضی ہیں مگر اس بات کا ہمارا منہ نہیں اس کے قابل عشاق ہی کا منہ ہے اور لسان عشق (۶) معذور ہوتی ہے جیسے ایک پرندہ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں ایک مادہ سے کہہ رہا تھا کہ اگر تو میرے ساتھ مل جائے تو میں تجھ کو ملک سلیمان دیدوں گا۔ یہ بات حضرت سلیمانؑ نے سن لی اور منطق الطیر (۷) کے عالم تھے فوراً اس پرندہ کو بلایا اور فرمایا نالائق یہ کیا گستاخی تھی کہ میرا ملک دینے والے آپ کون ہوتے ہیں اس نے کہا کہ نبی اللہ میں عاشق ہوں اور لسان عشق معذور ہوتی ہے اس پر حضرت سلیمانؑ نے اس کا قصور معاف کیا۔ اسی طرح یہ عشاق بھی وہاں معذور شمار ہوں گے۔ مگر ہر شخص کی زبان زبان عشق نہیں۔ تم ناز سے کام نہ لو اور عاشق کی نقل نہ کرو وہ تو اپنے کو مٹا کر فنا

(۱) ''اگر منہ کو ایک ہزار بار مشک وگلاب سے دھوئیں۔ تب بھی آپ کا نام لینا بے ادبی ہے'' (۲) اگر نام لینے کی بھی اجازت نہ ہوتی تو اور مصیبت ہوتی (۳) اپنا کام کرو دوسرے کے کام میں نہ لگو (۴) ذکر میں ذوق وشوق عطا کرنا (۵) ذوق شوق کی کیفیت حاصل ہو جائے تو ان کی مہربانی نہ ملے تو عنایت (۶) عاشق کی زبان معذور ہوتی ہے (۷) پرندوں کی زبان سے واقف تھے۔

کرکے ناز کر رہا ہے۔ اس کو حق ہے تم کو حق نہیں ہے کیونکہ تم اپنے کو باقی رکھ کر ناز کرتے ہو ؎

پیش یوسف نازش وخوبی مکن جز و نیاز وآہ یعقوبی مکن (۱)
زست ماشد روئے نہ زیبا وناز غیب باشد چشم نابینا وباز (۲)

منشی محمد حسن صاحب تھانوی نے بھوپال کے ولی عہد سلطنت کو ایک دفعہ سادگی سے کہہ دیا کہ آپ تو سمجھتے نہیں ہیں ولی عہد کو یہ بات ان کے منہ سے ذرا ناگوار نہیں ہوئی۔ وزیر صاحب کی کم بختی آئی کہ انہوں نے بھی ولی عہد کو یہی کلمہ کہہ دیا ولی عہد کا چہرہ سرخ ہوگیا اور کہا بس اپنے درجہ پر رہو۔ تم منشی جی کی ریس کرتے ہو۔ ارے وہ تو تمہارے باپ کی جگہ ہیں نوکر اور ملازم نہیں اور تم ملازم ہو۔ ملازم کو گستاخی اور بدتمیزی کا کیا حق ہے۔ اگر اب سے ایسی بدتمیزی کی تو کان پکڑ کر کے دربار سے نکلوا دیے جاؤ گے۔ پس تم ناز نہ کرو۔ کیونکہ تم منشی محمد حسن نہیں ہو اور معیار فرق یہ ہے کہ تم اپنے آپ میں ہو اور عشاق آپے سے باہر ہیں۔

اسباب کے اختیاری ہونے کی بنا پر امور اختیاریہ کہلاتے ہیں

اب ایک بات اور سمجھو کہ یہ جو میں نے کہا ہے کہ امور غیر اختیار غیر مطلوب ہیں یہ عام نہیں بلکہ احوال کے ساتھ خاص ہے کیونکہ جزاء اعمال بھی غیر اختیاری ہے مگر وہ مطلوب ہے کیونکہ وہ احوال میں سے نہیں بلکہ جزاء ہے۔ ایک جواب تو یہ ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جزاء بھی اختیاری ہے کیونکہ اس کے اسباب اختیاری ہیں یعنی اعمال صالحہ اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے یوں کہا جائے کہ صحت اختیاری ہے کیونکہ اس کے اسباب اختیاری ہیں پس جنت وقرب ورضا اسی قبیل سے ہے (۳) کہ فی نفسہ غیر اختیاری ہیں مگر بواسطہ اسباب کے اختیاری ہیں اور اگر نظر کو غائر (۴) کرو تو معلوم ہوگا کہ تمام اختیارات ایسے ہی ہیں کہ فی نفسہ غیر اختیاری ہیں مگر اسباب کے اختیاری ہونے کی وجہ سے ان کو

(۱) ''یوسفؑ کے سامنے ناز و انداز اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ یعقوبؑ کی طرح عاجزی وانکساری کر'' (۲) ''اچھا نہیں معلوم ہوتا بری صورت اور ناز۔ برا ہے آنکھیں نہ ہوں اور کھلی کرے'' (۳) اسی قسم سے ہیں (۴) اگر مزید گہری نظر سے دیکھو۔

اختیاری کہا جاتا ہے۔ مثلاً ابصار کو(۱) اختیاری کہا جاتا ہے۔ حالانکہ اس میں صرف فتح العین اختیاری ہے(۲) اور ادراک غیر اختیاری ہے(۳) مگر عادۃ اللہ یہ ہے کہ فتح العین پر اکثر ادراک کا ترتب ہوجاتا ہے اسی طرح شبع اورری یعنی سیر ہونا اور سیراب ہونا یہ بھی محض اسباب کے واسطہ سے اختیاری ہیں ورنہ فی نفسہ غیر اختیاری بلکہ اور نظر کو غائر کرو(۴) جنت ابصار وغیرہ سے زیادہ اختیاری ہے(۵) کیونکہ فتح العین پر ترتب ادراک محض عادی(۶) ہے وعدہ نہیں اور جنت کے ترتب کا اعمال صالحہ پر وعدہ ہے(۷) اور عادت میں تخلف جائز ہے اور وعدہ میں جائز نہیں (۸)۔ پس اب اشکال مرتفع ہوگیا(۹) کیونکہ مبنٰی اشکال کا یہ تھا کہ جزاء غیر اختیاری ہے اور اب معلوم ہوگیا کہ جزاء اختیاری ہے۔ پس غیر مطلوب وہ ہے جو فی نفسہ بھی غیر اختیاری ہو اور اسباب کے لحاظ سے بھی غیر اختیاری ہو اور جو چیز اختیاری ہو خواہ بلاواسطہ یا بواسطہ وہ غیر مطلوب نہیں۔ اور احوال من کل وجہ(۱۰) اختیاری ہیں گو ان کے حصول میں بھی اعمال واسطہ ہیں مگر یہ واسط ایسا ہے جس پر احوال کا ترتب لازم نہیں نہ ان کا وعدہ ہے اس لیے ان کو بواسطہ بھی اختیاری نہیں کہہ سکتے پس ان کی طلب کے درپے نہ ہو بلکہ رضائے حق کے طالب بنو اور غیر حق سے نظر قطع کرو(۱۱) خوب کہا ہے ؎

تو درو گم شو وصال ایں است پس گم شدن گم کن کمال این است وبس(۱۲)

گم شو کا مطلب یہ کہ جس چیز کے فنا کا امر ہے اس کو گم کرو یعنی اپنے ارادہ وتجویز کو فنا کردو۔ یہ مطلب نہیں کہ نماز روزہ کو بھی فنا کردو۔ اور گم شدن کن کمال ایں است وبس یہ بات ذرا مشکل سے سمجھ آئے گی۔ مگر اس کا اشکال لغوی ہے۔

صاحب فنا کون ہے

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سوتے ہوئے یہ جانتا ہو کہ میں سورہا ہوں

(۱) دیکھنے کو فعل اختیاری کہتے ہیں (۲) آنکھ کھولنا فعل اختیاری ہے (۳) آنکھ کھلنے کے بعد چیزوں کا ادراک ہونا غیر اختیاری ہے (۴) اور گہری نظر سے دیکھو تو (۵) جنت کا حصول چیزوں کے دکھائی دینے سے بھی زیادہ اختیاری ہے (۶) آنکھ کھولنے پر چیزوں کا ادراک عادۃً ہوتا ہے اس کا وعدہ نہیں ہے (۷) اعمال صالحہ کرنے پر جنت کے حصول کا وعدہ ہے (۸) عادت کے خلاف ہوسکتا ہے اللہ کے وعدہ کے خلاف نہیں ہوسکتا (۹) اشکال نہ رہا (۱۰) ہر اعتبار سے (۱۱) غیر حق سے نظر ہٹالو (۱۲) ''تو اس میں فنا ہوجا یہی وصال ہے۔ اپنا گم ہونا بھول جا انتہاء کی کمال یہ ہے''۔

تو سونے والا نہیں، سونے والا وہی ہے جس کو اپنے سونے کی خبر نہ ہو اسی طرح صاحب فنا وہ ہے جس کو اپنے فنا ہونے کی بھی خبر نہ ہو یعنی اس پر التفات نہ ہو۔ یہ معنی نہیں کہ وہ محض بے وقوف ہوتا ہے کہ اس کو اپنے حال کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ خبر تو ہوتی ہے مگر التفات نہیں ہوتا تو گم شدن گم کن امر معقول ہوا اور اس فن کا کوئی مسئلہ بھی خلاف عقل نہیں کیونکہ تصوف محض ہے اور علم صحیح موافق عقل کے ہوتا ہے۔ پس علوم تصوف میں کوئی اشکال عقلی وشرعی واقع نہیں ہوسکتا۔ اور وہ عشاق کے کلمات ہیں جن کے ججے اور رواں مختلف ہوتے ہیں سو وہ مغلوب الحال ہیں (۱) کلمات عشاق کا نام (۲) تصوف نہیں بلکہ محققین کے ارشادات کا نام ہے اور محققین کے کلام پر کسی کو انگلی رکھنے کی مجال نہیں وہ قرآن حدیث وعقل سب پر منطبق ہے۔

فناء الفنا کی حقیقت

چنانچہ فناء الفنا کی حقیقت کو خود حکماء نے بھی تسلیم کیا ہے کیونکہ حکماء نے طے کردیا ہے علم کے لیے علم العلم کی ضرورت نہیں۔ دیکھئے آپ دھوپ میں کام کرتے ہیں چلتے پھرتے ہیں مگر دھوپ ہونے کی طرف التفات نہیں ہوتا۔ اس کو اہل علم زیادہ سمجھیں گے اسی لیے اہل علم کو صوفی ہونے کا زیادہ حق ہے کیونکہ جاہل متقرّب تو ہوسکتا ہے مُقَرِّب نہیں ہوسکتا مُقَرِّب عالم ہی ہوسکتا ہے۔ غرض فناء الفناء میں محبوب کی طرف اس قدر توجہ ہوتی ہے خواہ بواسطہ صفات، محض ذات کی طرف کہ اس میں سالک کو اپنی ذات وصفات کی طرف التفات نہیں ہوتا یہ ہے گم شدن گم کن اور یہ حالت عشاق مجاز کو بھی پیش آتی ہے۔ عاشق کو اپنے محبوب کو دیکھتے ہوئے اس طرف التفات بھی نہیں ہوتا کہ میں اس کو دیکھ رہا ہوں پس اب گم شدن گم کمال این ست وبس۔ پر کوئی اشکال نہیں۔ اور جو شخص اس قدر صاحب فنا ہوگا وہ شوق وذوق کی طرف کیونکر التفات کریگا۔ حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ لاالٰہ (۳) میں سب کی نفی کردو کہ بجز ذات حق کے کسی طرف التفات نہ رہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما　　　اے طبیب جملہ علت ہائے ما (۴)

(۱) ان پر حال غالب ہے (۲) عاشقوں کے کلام کا نام تصوف نہیں ہے (۳) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (۴) ''اے اچھے خیال والے عشق تو خوش رہ۔ اے ہماری تمام بیماریوں کے حکیم''۔

اے دوائے نخوت وناموس ما　　　اے تو افلاطون وجالینوس ما(۱)
عشق آں شعلہ است کہ چوں برفروخت　　　ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت(۲)
تیغ لادر قتل غیر حق براند　　　درنگر آخر کہ بعد لاچہ ماند(۳)
ماند الا اللہ وباقی جملہ رفت　　　مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت(۴)

جب یہ خود ہی نہیں رہا تو دوسری چیزوں کی طرف کیونکر التفات کرے گا۔
غرض احوال غیر اختیاری ہیں(۵) اس لیے وہ غیر مطلوب ہیں اور اعمال اختیاری ہیں اس لیے مطلوب ہیں اور یہ مسئلہ میں نے خود نہیں گڑھا بلکہ نص میں(۶) موجود ہے جس کی میں نے تلاوت کی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ۔ اس آیت میں صاف تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتے۔

ثواب اور عذاب کا مدار کسب واکتساب پر ہے

بلکہ ثواب وعذاب کا مدار کسب واکتساب پر ہے(۷) معلوم ہوا کہ انسان اختیارات کا مکلف ہے۔ اور احوال اختیاری نہیں اس لیے ان کا مکلف نہیں۔ اور یہ بات اس آیت کے شان نزول سے زیادہ واضح ہوجائیگی کیونکہ اس کا نزول احوال کی تحقیق میں ہے شان نزول اس آیت کا یہ ہے کہ جب آیت اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ۔ نازل ہوئی تو صحابہ اس سے ڈر گئے کیونکہ مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ بظاہر عام ہے وسواس غیر اختیاریہ(۸) وعزائم اختیاریہ سب کو تو صحابہ یہ سمجھے کہ شاید ان سب پر مواخذہ ہوگا اور اس خیال کا منشا صحابہ کی قلت علم نہ تھا بلکہ اس کا منشا غلبہ عشق تھا جس کی شان یہ ہے ؎

باسایہ ترانمی پسندم　　　عشق ست وہزار بدگمانی(۹)

(۱) ''اے دوا ہماری تکبر اور بدنامی کی۔ اے کہ تو ہی ہے افلاطون وجالینوس ہمارا'' (۲) ''عشق وہ شعلہ ہے جب بھڑک جائے۔ معشوق کے سوا سب کو جلادے'' (۳) ''لا اللہ کی تلوار اپنی غرض کے قتل کرنے پر چلاؤ۔ اور پھر دیکھ کہ آخر (نتیجہ) لا کے بعد کیا رہا'' (۴) ''اللہ ہی رہ جائے گا اور باقی کچھ نہیں رہے گا اے عشق سخت شرکت جلانے والے مجھ کو خوشخبری ہو'' (۵) حال کا طاری ہونا اختیار میں نہیں (۶) قرآن وحدیث (۷) اپنے عمل کرنے پر ہے (۸) غیر اختیاری وسوسے (۹) ''مجھے تیرے ساتھ تیرے سایہ کا ہونا بھی پسند نہیں کیونکہ عشق میں ہزار بدگمانیاں ہوتی ہیں''۔

عاشق کو ضعیف الاحتمالات پر بھی بڑی فکر رہتی ہے ورنہ صحابہ قواعد کا سمعیہ وعقلیہ (۱) سے جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ امور غیر اختیاریہ پر مواخذہ نہ فرمائیں گے۔ کیونکہ مقتضائے رحمت کے خلاف ہے مگر عشق ومحبت کی وجہ سے خشیت کا غلبہ تھا آیت میں عموم دیکھ کر ڈر گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی) کہنا چاہتے ہو۔ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (ہم نے سنا اور خوشی سے مانا) کہو ہم نے سن لیا اور ہم اطاعت کریں گے۔ صحابہ نے ادب سے کام لیا اور سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہا گو زبان لڑکھڑاتی تھی کیونکہ اندیشہ تھا کہ وسواس غیر اختیاریہ (۲) میں شاید اس حکم کی تعمیل نہ ہو سکے مگر ادب کی وجہ سے اطاعت کا وعدہ کر ہی لیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا پسند آگئی اس پر اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے آخر سورۃ تک آیتیں نازل ہوئیں اور ادب کی برکت سے آیت کی تفسیر کر دی گئی۔ ادب بڑی چیز ہے مولانا نے ادب کے متعلق قصہ لکھا ہے کہ جب حضرت آدمؑ سے لغزش ہوئی اور ان پر عتاب ہوا۔ اور حضرت آدم نے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا) کہا اور اللہ نے ان کی توبہ قبول کی تو بعد میں ان سے پوچھا کہ اے آدم خالق افعال (۳) تو میں ہوں تم نے ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا کیونکر کہا۔ آدمؑ نے جواب دیا۔

گفت من ہم پاس آنت داشتم (۴) لیک من پاس ادب نگذاشتم

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہاں ادب سے کام لیا کہ خود اس آیت کی تفسیر نہ کی ورنہ آپ خود بھی تفسیر کر سکتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کا انتظار کیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں اول رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کی تعریف ہے کہ سب نے ایمان پر استقامت ظاہر کی اور سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کہا اور جس کوتاہی کا اندیشہ تھا اس سے استغفار کیا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ۔ (۵) اس کی تعریف کے بعد آیت سابقہ کی تفسیر کی گئی لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (۶) میں جس کا

(۱) اور اختیاری ارادے (۲) صحابہ قواعد سے یہ بات جانتے تھے کہ غیر اختیاری امور پر مواخذہ نہیں ہوگا (۳) غیر اختیاری وسوسوں (۴) افعال کو پیدا کرنے والا (۵) "بات تو یہی ہے لیکن میں ادب کا دامن نہیں چھوڑنا چاہتا آپ کے مقام بلند کو جانتے ہوئے میں نے اس کی نسبت اسی طرف کرلی" (۶) "اے ہمارے رب ہم تیری بخشش کے امیدوار ہیں، اور ہم نے آپ کی طرف لوٹ کر جانا ہے" (۷) "اللہ تعالیٰ کسی کو مکلف نہیں بناتا مگر اس کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو"۔

حاصل یہ ہے کہ مدار تکلیف کا صرف اختیار ہے اور خطرات (۱) اختیاری نہیں تو عبد (۲) اِن کا مکلف بھی نہیں۔ اب اس پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اس سے یہ کیونکر معلوم ہوا کہ غیر اختیاری کا مکلف تو نہ ہو مگر اس پر مؤاخذہ ہوجاوے اس کا جواب آئندہ جملہ میں ارشاد فرمایا گیا۔

امور غیر اختیاریہ پر مؤاخذہ نہ ہوگا

مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (۳) کیونکہ کسب و اکتساب کے معنیٰ عمل بالاختیار کے ہیں اور لھا و علیھا میں لام اور علیٰ کا مدلول ثواب وعقاب ہے پھر دونوں میں مجرور کو مقدم کیا گیا جو مفید حصر ہے اس حصر سے معلوم ہوگیا کہ استحقاق ثواب وعقاب صرف امور اختیاریہ ہی پر ہے۔ پس آیت بالا کی تفسیر ہوگئی کہ مراد مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ سے اعمال اختیاریہ ہیں اور مسئلہ کا منصوص ہونا ثابت ہوگیا جس کا میں نے دعویٰ کیا تھا اسی مسئلہ پر اپنے مقصود کی پھر تصریح کرتا ہوں کہ جب ثواب وعقاب کا مدار اختیار پر ہے اور مقصود عبد کا صرف حصول ثواب اور نجات عن العقاب ہے (۴) پھر غیر اختیاری کی فکر میں کیوں پڑے یہاں ایک اور سوال کے جواب پر بھی متنبہ کرتا ہوں وہ سوال یہ ہے کہ بعض مصائب ایسے آتے ہیں جو تحمل سے زیادہ ہوتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہاں تکلیف سے مراد تکلیف شرعی ہے تکلیف تکوینی مراد نہیں سو اس کی یہاں نفی نہیں پس امور تکوینیہ میں فوق طاقت کا وقوع ہوسکتا ہے شاید اس پر یہ سوال کہ جب تشریعات میں رحمت کی وجہ سے یہ قاعدہ ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا تو تکوینیات میں بھی رحمت کا یہ مقتضا کیوں ظاہر نہ ہوا اس کا جواب یہ ہے کہ تکنوینیات میں بوجہ زیادت اجر کے فوق طاقت کا وقوع خلاف رحمت نہیں رہا (۵) یہ سوال کہ پھر تشریعیات میں بھی زیادت اجر کے لیے ایسا کیا جاتا اس کا جواب یہ ہے کہ تشریع سے عمل مقصود ہے اور فوق طاقت کا صدور (۶) کیونکر ہوتا اور تکوینیات میں صدور اس کا فعل نہیں ایک دوسری بات مطلوب ہے جو وہ اختیاری ہے یعنی صبر کہ خدا تعالیٰ کی شکایت نہ کرے اور اس میں بھی

(۱) وساوس (۲) بندہ انکا پابند نہیں (۳) ''اس کا ثواب بھی ایسے ہی ملے گا جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کو ہوگا جو ارادہ سے کرے'' (۴) سزا سے بچنا (۵) ثواب کثیر کی وجہ سے اس پر اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف دینا بھی باعث رحمت ہے (۶) جو حکم طاقت سے باہر ہوتا اس کے مطابق عمل نہیں ہوسکتا تھا اور عمل مقصود ہے۔

اتنی توسیع ہے کہ حقیقی شکایت نہ کرے گو صورتاً شکایت ہوجائے تو وہ معاف ہے۔

بیماری میں آہ کا منہ سے نکلنا خلاف صبر نہیں

جیسے یعقوب علیہ السلام کا قول ہے اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيٓ اِلَى اللّٰهِ اسی طرح آنسو بہنا، آہ آہ منہ سے نکلنا بھی خلاف صبر نہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اس کے مستحق تھے بلکہ رولینے سے صبر حقیقی زیادہ آسان ہوجاتا ہے کیونکہ دل کا غبار نکل جاتا ہے تو دل میں خدا سے شکایت پیدا نہیں ہوتی بعض لوگوں کو تقویٰ کا ہیضہ ہوجاتا ہے وہ بیماری میں آہ آہ کرنے کو خلاف صبر سمجھتے ہیں اس لیے اللہ اللہ کرتے ہیں تاکہ قوت قلب ظاہر ہو مگر یہ معرفت کے خلاف ہے اس پر مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کی حکایت مجھے یاد آئی کہ ایک بار وہ بیماری میں اللہ اللہ کررہے تھے کہ اُن کے بھائی آگئے وہ بھی بڑے بزرگ تھے انہوں نے فرمایا بھائی جی آہ آہ کرو کیونکہ اللہ اللہ مظہر الوہیت ہے اور آہ آہ مظہر عبدیت ہے اور اس وقت وہ عبدیت کو دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ انہوں نے آہ آہ شروع کی اور بہت جلد صحت ہوگئی کیونکہ مقصود پورا ہوگیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو عجز و نیاز اور تضرع وزاری بہت پسند ہے۔ اور یہ بات بھی آہ ہی میں ہے اللہ اللہ کرنے میں نہیں۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

تانگرید کودک حلوا فروش بحر بخشا یش نمی آید بجوش(۱)

اور فرماتے ہیں ؎

اے خوشا چشمے کہ آن گریان اوست اے خوشاں آں دل کہ آں بریان اوست(۲)

درپس ہر گریہ آخر خندہ ایست مرد آخر بین مبارک بندہ ایست(۳)

اسی لیے ایک بار حضرت عمر سے بیماری میں جب کسی نے یہ پوچھا کہ کیسی طبیعت ہے فرمایا اچھی نہیں سائل نے کہا کیا آپ شکایت کرتے ہیں فرمایا کیا میں خدا کے سامنے اپنی بہادری ظاہر کروں کہ وہ تو بیمار کریں اور میں کہوں نہیں میں تو اچھا ہوں۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ شکایت منافی صبر وہ جو خود مقصود ہو(۴) اور جو کسی حکمت سے ہو وہ عبدیت ہے

(۱) ''جب تک حلوائی کا لڑکا نہ روئے۔ اس کی بخشش کا دریا جوش میں نہیں آتا'' (۲) ''کتنی خوش بخت آنکھ ہے کہ اس کے غم میں رورہی ہے کیسا پیارا دل ہے کہ اس کی یاد میں جل رہا ہے'' (۳) ''ہر غم کے بعد خوشی ہوتی ہے انجام پر نظر رکھنے والا مرد بہت اچھا ہے'' (۴) ایسے شکایت صبر کے خلاف ہوتی ہے جو مقصود ہو۔

ان مقامات کو عارفین سمجھتے ہیں کہ اس وقت کیا مطلوب ہے اور دوسرے وقت کیا مطلوب۔ حضرت عمرؓ کی ایک اور حکایت ہے جس کو مناسبت مقام کی وجہ سے بیان کرتا ہوں۔

کسریٰ کے خزائن مفتوح ہونے پر حضرت عمرؓ کی دعا

وہ یہ کہ جب حضرت عمرؓ کے پاس کسریٰ کا خزانہ مفتوح ہوکر آیا تو سونے چاندی اور جواہرات کا بڑا انبار تھا آپ نے اس کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کی خداوندا آپ کا ارشاد ہے زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط (۱) زین صیغۂ مجہول ہے جس کا فاعل یہاں مذکور نہیں علماء میں اس کے فاعل کے بارے میں اختلاف ہوا ہے بعض نے اس کا فاعل شیطان کو مانا ہے کہ شیطان نے ان چیزوں کی محبت قلوب میں آراستہ کردی ہے اور حضرت عمرؓ نے اللہ تعالیٰ کو فاعل مانا ہے۔ دونوں میں منافات کچھ نہیں دونوں صحیح ہیں کیونکہ تزیین کے دو درجے ہیں ایک وہ درجہ جو معصیت کی طرف مفضی ہو(۲) اس کا فاعل تو شیطان ہے اور ایک طبعی تزیین کا ہے جو کسی حکمت سے ودیعت رکھی گئی ہے(۳)۔ اس کے فاعل اللہ تعالیٰ ہیں کیونکہ طبعیات سب خدا کی پیدا کردہ ہیں آخر آپ کو کھانے پینے کی محبت نہیں ہے؟ یقیناً ہے پھر طبعاً مال وزر کی محبت بھی ہو تو کیا حرج ہے اور جس طرح طبیعت کے درجہ میں طعام وشراب کی محبت قبیح نہیں اسی طرح درجہ میں مال واولاد کی محبت بھی قبیح نہیں اب اللہ تعالیٰ اس کے فاعل ہوں تو کچھ اشکال نہیں ہاں جو درجہ مفضی الی المعصیت ہے(۴) اس کا فاعل شیطان ہے۔ غرض حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مال کی محبت آپ نے ہمارے دلوں میں مزین کی ہے اس لیے ہم یہ تو نہیں چاہتے کہ ہم کو مال سے محبت نہ ہو اور نہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے ہم کو خوشی نہیں ہوئی ہاں یہ درخواست کرتے ہیں کہ اس محبت کو اپنی رضا کی طرف منعطف کردیجئے اور اس کو اپنے دین کے

---

(۱) ''کہ لوگوں کے دلوں میں خواہشوں کی محبت آراستہ کردی گئی ہے۔ جن میں عورتیں بھی ہیں اور اولاد بھی اور سونے چاندی کے ڈھیر بھی اور گھوڑے نشان کردہ چوپائے اور کھیتی بھی'' (۲) زینت کے دو درجے ہیں ایک جو گناہ تک پہنچادے اس کا فاعل شیطان ہے(۳) ایک انسان کی طبیعت میں کسی حکمت سے زیب وزینت رکھدی گئی اس کے فاعل اللہ تعالیٰ ہیں (۴) جو درجہ گناہ تک پہنچادے۔

کام میں صرف کردیجئے سبحان اللہ! یہ حضرات ہیں عارف کامل! یہ حکایت میں نے اسی واسطے ذکر کی ہے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ جس طرح لوگوں نے صبر کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کی ہے کہ صورت شکایت کو بھی خلاف سمجھتے ہیں اسی طرح ترک دنیا اور زہد کی حقیقت کو سمجھنے میں بھی غلطی کی ہے لوگ محبت مال کو مطلقاً زہد کے خلاف سمجھتے ہیں حالانکہ طبعی محبت زہد کے خلاف نہیں بلکہ خلاف زہد وہ درجہ ہے جو معاصی کی طرف مفضی ہو(۱) اور یہ جو صوفیہ کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مال کی محبت مطلقاً نہ تھی ان میں طبعی محبت دوسری محبت سے مغلوب ہوجاتی ہے جو بوجہ مغلوبیت کے کالمعدوم (۲) معلوم ہوتی ہے اور کبھی اس کے بعض آثار محسوس بھی ہوتے ہیں، مگر وہ مقصود بالذات نہیں ہوتی، مقصود بالغیر ہوتی ہے تو صورت اس کے تعلق کی ہوتی ہے، حقیقی تعلق نہیں ہوتا۔

حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ اور مولانا جامیؒ کی حکایت

اس پر مجھے حضرت مولانا جامی کی حکایت یاد آئی کہ جب وہ حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہاں امیرانہ ٹھاٹ دیکھا تو بہت جھلّائے کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جن کے پاس اس قدر دنیا بھری ہوئی ہے آپ نے اسی وقت جھلّا کر یہ مصرع پڑھا ؎

نہ مردست آنکہ دنیا دوست دارد (۳)

اور یہ کہہ کر چل دیئے اور ایک مسجد میں آکر سو رہے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور ایک شخص ان کے سر ہوگیا کہ میرے پیسے دلواؤ جو تمہارے ذمہ ہیں مولانا جامیؒ بڑے پریشان ہوئے کہ یہاں اس کو کہاں سے پیسے دوں اس نے کہا پھر نیکیاں دلواؤ۔ یہ اسی کشمکش میں تھے کہ ایک طرف سے حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی سواری بڑی شان سے آتی ہوئی نظر پڑی خواجہ صاحب نے مولانا جامیؒ کو پریشان دیکھ کر سواری روکی قرض خواہ کو دھمکایا کہ فقیر کو کیوں تنگ کرتے ہوجاؤ جو کچھ تمہارا مطالبہ ہو ہمارے خزانہ سے وصول کرلو جو ہم نے یہاں پہلے سے جمع کر رکھا ہے یہ کہہ کر مولانا جامی کو اپنے ساتھ سوار کرلیا یہ دیکھ کر آنکھ کھل گئی۔ اب تو ان کو تنبہ ہوا کہ خواجہ صاحب بڑے درجہ کے درویش ہیں اور میں

(۱) زہد کے خلاف مال کی محبت کا وہ درجہ ہے جو گناہ میں مبتلاء کرے (۲) مغلوب ہونے کی وجہ سے ایسی ہوگئی گویا کہ ہے ہی نہیں (۳) وہ مرد کامل نہیں ہے جو دنیا کو محبوب رکھے۔

نے سخت غلطی کی جوان پر اعتراض کیا ہے اسی سوچ میں تھے کہ اتنے میں خواجہ صاحب نماز کے لیے مسجد میں تشریف لائے یہ دوڑ کر قدموں میں گر پڑے اور خطا معاف کرائی خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ذرا وہ اپنا مصرع تو پھر سناؤ جو آتے ہی سنایا تھا مولانا جامی نے شرمندہ ہوکر عرض کیا کہ حضرت وہ تو میری حماقت تھی فرمایا کہ ایک بار تم نے اپنی خواہش سے حماقت کی تھی اب ہماری خوشی کے لیے وہ حماقت کرلو چنانچہ آپ نے پڑھا کہ ؎

نہ مرد ست آنکہ دنیا دوست دارد

توحضرت خواجہ صاحب نے فرمایا:

اگر دارد برائے دوست دارد(۱)

غرض مال کی محبت کا یہ درجہ خلاف زہد نہیں اور نہ مال کا جمع کرنا مطلقاً خلاف زہد ہے البتہ اس کو ذریعہ معاصی بنانا (۲) یہ خلاف زہد ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر کچھ حرج نہیں بلکہ بعضوں کے لیے مالدار ہونا ہی مفید ہے اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کس کو مال سے قرب ہوگا اور کس کو افلاس سے۔ اس لیے کسی کو مال دیتے ہیں کسی کو مفلس رکھتے ہیں۔ میں نے حضرت عمرؓ کی عبدیت ظاہر کرنے کو ان کی حکایت بیان کی تھی۔ اس کے بعد بوجہ مناسبت کے دوسری حکایات ضمناً بیان ہوگئیں اس سے پہلے میں یہ کہہ رہا تھا کہ بیماری وغیرہ میں صورت شکایت کا حرج نہیں بس شکایت حقیقۃً نہ ہونا چاہئے اور یہ امر اختیاری ہے اور تکوینیات میں انسان اسی کا مکلف ہے اس کے سوا کسی عمل وغیرہ کا مکلف نہیں پس تکوینیات میں فوق الطاقت کا وقوع جائز ہے اور تشریعیات میں ایسا نہیں ہوسکتا۔ ہاں تکوینیات کے بارے میں آگے دعا کی تعلیم ہے کہ فوق الطاقت مصائب سے بچنے کی بھی دعا مانگا کرو۔ چنانچہ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا کے بعد جو کہ تشریعیات کے باب میں ہے اس کا اضافہ بھی فرمایا گیا۔ رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ۔ ایک نکتہ اس مقام میں قابل غور یہ ہے کہ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ میں دو عنوان کیوں اختیار کئے گئے۔ حالانکہ دوسری جگہ ارشاد ہے: وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ اور ایک مقام پر ارشاد ہے لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ۔

(۱) اگر محبت کرے تو دوست کی خاطر کرے‘‘ (۲) گناہوں کے ذریعہ بنانا۔

شر کے لیے اکتساب اور خیر کے لیے کسب فرمانے کا سبب

ان جگہوں میں اکتساب نہیں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ اکتساب میں کسب سے زیادت ہے کیونکہ افتعال کی خاصیت تکلف ہے۔ اب خیر کے لیے کسب اور شر کے لیے اکتساب اختیار کرنے میں نکتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاصی (۱) کے لیے انسان کو اہتمام زیادہ کرنا پڑتا ہے گو وقوع (۲) اس کا سہولت سے ہو جائے مگر اہتمام شر کے لیے زیادہ ہوتا ہے اور خیر کے لیے اس قدر اہتمام کی ضرورت نہیں کیونکہ انسان کی اصلی فطرت خیر ہے جیسا کہ حدیث كل مولود يولد على الفطر (۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ فطرت کے لیے زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی نیز خیر سے مانع کوئی قوی قوت انسان کے اندر موجود نہیں رکھی گئی اور شر سے مانع (۴) ایک قوی قوت اس کے اندر موجود ہے یعنی عقل۔ عقل خود معاصی سے روکتی ہے اسی لیے بعد معاصی کر کے انسان کو ندامت بے حد ہوتی ہے اس لیے شر کے واسطے اکتساب فرمایا اور خیر کے لیے کسب اور جو حدیث میں ہے حفت الجنة بالمكاره وحفت النار بالشهوات (۵) وہ اس تقریر کے منافی نہیں کیونکہ شر میں فی نفسہ سہولت نہیں ہاں عادت کے غلبہ سے وہ سہل اور مرغوب ہو جاتی ہے اور خیر میں فی نفسہ دشواری نہیں ہاں عادت نہ ہونے سے اس میں عارضی دشواری ہو جاتی ہے اور اسی درجہ کے لحاظ سے ان کو مکارہ کہا گیا ہے اب کچھ اشکال نہ رہا (میں کہتا ہوں کہ یہاں کسب و اکتساب میں تبدیل عنوان کی توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خیر میں مطلق کسب پر اجر ملے گا خواہ اتفاقاً خیر کا صدور ہو جائے (۶) اور شر میں مطلق کسب پر عذاب نہیں بلکہ تعمد کسب (۷) پر مؤاخذہ ہوتا ہے چنانچہ خطا و نسیان عفو ہے (۸) ہے واللہ اعلم ۱۲ ط۔ ایک سوال و جواب یہاں حصر کے متعلق ہے جو لہا اور علیہا کی تقدیم سے حاصل ہوا ہے وہ یہ کہ اس حصر سے لازم

---

(۱) گناہوں کے لیے (۲) اگرچہ بسہولت واقع ہو جائیں (۳) ''ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے'' الصحیح للبخاری: ۲/ ۱۲۵ (۴) شر سے روکنے والی ایک مضبوط طاقت اس میں موجود ہے (۵) ''جنت کو مشقتوں سے ڈھانپ دیا گیا کہ حصول جنت کے لیے مشقتیں اٹھانا پڑیں گی، اور دوزخ کو شہوات سے ڈھانپ دیا گیا کہ خواہشات نفس کے اتباع سے جہنم میں جائے گا۔ الصحیح لمسلم المقدمۃ: ۱ (۶) اگر بلا ارادہ اتفاقاً بھی نیکی کا کام کرلیا ثواب ملے گا (۷) عمداً برائی کرے گا تو عذاب ہوگا ز (۸) بھول چوک معاف ہے۔

آتا ہے کہ جیسے عقاب بلا کسب نہیں ہونا چاہیے کہ ثواب بھی بلا کسب نہ ہو حالانکہ ثواب کبھی بلا عمل محض فضل سے بھی مل جاتا ہے جیسا کہ نصوص میں وارد ہے۔ جواب یہ ہے کہ حصر باعتبار حصول کے نہیں بلکہ باعتبار استحقاق کے ہے یعنی استحقاق تو ثواب کا بھی بدوں کسب نہیں گو عطا ہو جاوے اور اوپر میرے کلام میں بھی اس طرف اشارہ ہے ایک نکتہ اس مقام پر قابل حل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا۔ (۱) کی ہم کو تعلیم فرمائی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ یہ دعا قبول ہو چکی ہے۔

نسیان وخطا امر غیر اختیاری ہے

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں رفع عن امتی الخطاء والنسیان (۲) اب سوال یہ ہوتا ہے کہ نسیان وخطا امر اختیاری ہے یا غیر اختیاری ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ غیر اختیاری ہے اور لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا الخ (۳) سے معلوم ہو چکا ہے کہ غیر اختیاری پر مؤاخذہ نہیں پھر بعد رفع مؤاخذہ (۴) آئندہ کے لیے دعائے عدم مؤاخذہ کی تعلیم کے کیا معنی جبکہ مؤاخذہ کا احتمال ہی نہیں دوسرا اشکال یہ ہے کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے رفع خطا ونسیان (۵) اس امت کے ساتھ مخصوص ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ دوسری امتوں پر مؤاخذہ تھا اور یہ عقل کے خلاف ہے کہ دوسری امتوں کو تکلیف مالایطاق دی گئی ہو۔ نیز نص لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا (اللہ تعالیٰ کسی کو مکلف نہیں بناتا مگر اس کی طاقت اور اختیار کے مطابق) میں نفسا عام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تشریعیات میں تکلیف مالایطاق کسی کو نہیں دی گئی اور عقل بھی عموم کو چاہتی ہے اس کے جوابات علماء نے مختلف دیئے ہیں مگر میرے ذہن میں جواب آیا ہے میں اس کو عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ خطرات ووسواس میں دو درجے ہیں ایک درجہ حدوث کا ہے۔ وہ تو غیر اختیاری ہے اور ایک درجہ بقا کا ہے۔ یہ بعض اوقات اختیاری ہوتا ہے مثلاً کسی اجنبیہ کا دل میں بلا قصد خیال آ گیا یہ تو غیر اختیاری ہوا۔

---

(۱)''اے ہمارے رب ہم پر دارو گیر نہ فرمایئے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں'' (۲)''میری امت سے خطا اور نسیان معاف کر دیئے گئے'' کنز العمال: ۱۰۳۰۷ (۳)''اللہ تعالیٰ کسی کو مکلف نہیں بناتا مگر اس کی طاقت اور اختیار کے مطابق'' (۴) جب پکڑ نہیں تو پکڑ نہ ہونے کی دعا کرنے کا کیا مطلب (۵) بھول چوک اور غلطی پر مواخذہ نہ ہونا اس امت کی خصوصیت ہے۔

وسوسہ کا کچھ دیر تک باقی رہنا بعض اوقات اختیاری ہوتا ہے

مگر اس وسوسہ کا کچھ دیر تک باقی رہنا بعض اوقات اختیاری ہوتا ہے اور یہ بقاء کبھی قصیر ہوتا ہے کبھی طویل (۱) اور یہ بقاء اکثر ہوتا ہی ہے کیونکہ وسوسہ کا ایسا وقوع نادر ہی ہے کہ حدوث کے ساتھ ہی فنا ہوجائے زیادہ بھی ہے کہ وسوسہ کچھ دیر کو ضرور باقی رہتا ہے مگر انسان کو اکثر بقاء قصیر (۲) کا احساس کم ہوتا ہے۔ بقاء طویل (۳) ہی کا احساس ہوتا ہے کہ کیونکہ ابتدا میں اس کو اس پر التفات نہیں ہوتا کہ وسوسہ درجۂ حدوث سے تجاوز کر کے درجہ بقاء حاصل کر چکا ہے جب یہ سمجھ میں آ گیا تو اب سمجھو کہ درجہ حدوث پر تو کسی سے مواخذہ نہیں وہ تو من کل وجہ غیر اختیاری ہے اور تیسرے درجہ پر سب سے مواخذہ ہے یعنی بقاء طویل پر کیونکہ وہ من کل وجہ اختیاری ہے اب ایک درجہ بیچ کا ہے یعنی جبکہ وسوسہ کو بقاء قصیر ہو یہ امت محمدیہ سے عفو ہے (۴) اور پہلی امتوں سے اس پر مؤاخذہ تھا کیونکہ یہ درجہ فی نفسہ اختیاری ہے اس لیے محل مؤاخذہ ہونے کے قابل ہے مگر مشابہ غیر اختیاری کے ہے اس لیے امت محمدیہ سے اس کے متعلق مؤاخذہ مرتفع ہوگیا (۵) رہا یہ سوال کہ جب یہ درجہ مشابہ غیر اختیاری کے ہے تو پہلی امتیں اس سے کس طرح بچتی ہوں گی اس کا جواب یہ ہے کہ جب فی نفسہ اختیاری ہے تو وہ اہتمام مزید کر کے بچتے ہوں گے اور نہ بچتے ہوں تو ان پر اس سے استغفار واجب ہوگا اور امت محمدیہ پر اس سے استغفار کا وجوب نہ ہوگا گو استحباب ضرور ہے۔ اور یہی دو درجے خطا ونسیان میں ہیں کہ خود خطا ونسیان تو غیر اختیاری ہے مگر اس کا منشاء یعنی عدم استحضار یا مذکر (۶) اختیاری ہے اگر مذکر کا استحضار کامل ہو تو پھر خطا ونسیان کا صدور نہیں ہوسکتا ان کا صدور جب بھی ہوگا عدم استحضار وغفلت ہی سے ہوگا چنانچہ اگر دن میں ہر وقت روزہ کا دھیان رہے تو نسیان طاری نہ ہوگا۔

افعال صلوٰۃ پر توجہ سے نماز میں سہو نہیں ہوتا

نماز میں اگر افعال صلوٰۃ (۷) پر پوری توجہ ہو تو سہو نہ ہوگا اور یہ امر اختیاری ہے

---

(۱) یہ قیام کبھی مختصر ہوتا ہے کبھی طویل (۲) مختصر قیام کا احساس (۳) دیر تک باقی رہنے کا (۴) تھوڑی دیر وسوسہ دل میں رہے یہ امت محمدیہ سے معاف ہے (۵) مواخذہ اٹھالیا گیا (۶) خطا اور نسیان کو دماغ میں حاضر نہ کرنا اختیاری ہے (۷) نماز میں کئے جانے والے افعال رکوع سجدہ وغیرہ۔

کہ توجہ رکھو تو اس کے ترک پر مؤاخذہ ہوسکتا ہے اب آیت وحدیث رفع عن امتی الخ پر تو اشکال نہ رہا۔ لیکن ایک مستقل اور اشکال وارد ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نماز میں سہو ہوا ہے کیا اس کا منشاء بھی عدم استحضار افعال صلوٰۃ تھا(۱)۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں سہو نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی علت بھی یہی ہے۔ لیکن علت عدم استحضار افعال الی الصلوٰۃ (۲) ہم میں اور ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور۔ یعنی ہماری عدم توجہ الی الصلوٰۃ کا منشاء تو یہ ہے کہ ہم کو ایسی چیز کی طرف توجہ ہوتی ہے جو نماز سے ادنیٰ ہے یعنی دنیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ الی الصلوٰۃ کا منشاء یہ ہے کہ آپ کو ایسی چیز کی طرف توجہ ہوتی تھی جو نماز سے اعلیٰ ہے یعنی ذات حق خوب سمجھ لو۔ بحمداللہ اب یہ مسئلہ ہر طرح منقح ہوگیا(۳) کہ امور غیر اختیاریہ قابل اہتمام نہیں ان کا اہتمام چھوڑ دینا چاہئے اور غیر اختیاری سے مراد صرف احوال وکیفیات ہیں جزاء مراد نہیں بلکہ وہ تو مطلوب ومقصود ہے اور احوال مقصود نہیں گو محمود ہوں مگر اب تو ستم یہ ہے کہ لوگ نماز ہی اس لیے پڑھتے ہیں تاکہ حضور قلب ہو اس لیے اگر حضور نہ ہو تو نماز بے کار سمجھتے ہیں حالانکہ حضور کی سعی اس لیے ہونا چاہیئے تھی کہ نماز کامل ہو۔ ہاں احوال کے لیے دعا کرنا جائز ہے پس دعا کرو۔ لیکن شیخ سے ان کے عدم حصول کی شکایت نہ کرو۔ اور اگر وہ اجازت دے اور اس کا طریقہ بتلادے تو اس کا تبرع ہے(۴) اس پر یہ بات لازم نہیں۔ پس عدم حصول احوال کی ایسی مثال ہے جیسے اولاد نہ ہونا کہ اس کے لیے دعا جائز ہے اور توقع کے درجہ میں تدبیر بھی جائز ہے لیکن یہ لازم ہے کہ اگر ترتب ہوجائے تو وہ خوش ہوجاؤ اور ترتب نہ ہو تو جب بھی خوش رہو پریشان نہ ہو بلکہ سمجھو کہ میرے لیے عدم حصول ہی مصلحت مگر خود دعا میں یہ قید نہ لگادیں کہ یا اللہ اگر حال محمود مجھے نافع ہو تو عطا ہو ورنہ نہیں عقیدہ اور عزم تو یہی رکھے کہ اگر عطا نہ ہوگا تو میں یہی سمجھوں گا کہ میرے واسطے حصول میں حکمت نہ تھی مگر دعا میں اس قید کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذمہ خود لے لیا ہے کہ اگر حصول مضر ہوگا تو ہم خود ہی نہ دیں گے۔ چنانچہ اولاد ورزق کے واسطے

(۱) کیا اس کی وجہ بھی نماز کے افعال کا دھیان نہ ہونا تھی (۲) نماز کے افعال کا استحضار نہ ہونا اس میں ہمارے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء میں فرق ہے (۳) ہر طرح واضح ہوگیا (۴) احسان ہے۔

بھی دعا مشروع ہے مگر اس میں کہیں اس قید کی تصریح نہیں۔ اور دعائے استخارہ سے شبہ نہ کیا جائے کہ وہاں یہ تعلیم ہے کہ اگر یہ میرے واسطے خیر ہو تو میرے لیے آسان ہو جائے ورنہ میرے دل کو اس سے پھیر دیا جائے کیونکہ استخارہ کا محل ایسا امر ہے جس میں ظاہراً بھی نفع وضرر(۱) دونوں کا احتمال ہے اور یہاں ایسی دعا کا ذکر ہے جو بظاہر نافع ہی ہے فافترقا(۲)۔

بعض لوگوں کو خود دعا میں ایک اشکال واقع ہو گیا ہے کہ دعا کرنا بظاہر خلاف تفویض ہے تفویض اسی میں ہے کہ خود کچھ نہ مانگے جو وہ چاہیں گے خود ہی عطا فرمادیں گے ؎

چہ حاجتست بہ پیش تو حال دل گفتن — کہ حال خستہ دلاں را تو خوب می دانی(۳)

دعا تفویض کے منافی نہیں

اس کا جواب یہ ہے کہ دعا تفویض کے خلاف جب ہو کہ داعی عدم اجابت پر(۴) راضی نہ ہو اور جب عدم اجابت پر بھی راضی ہے تو عین دعا کے وقت تفویض حال ہے۔ بہر حال غیر اختیاریہ میں دعا کی ممانعت نہیں ہاں تصدی واہتمام کی ممانعت ہے کہ اگر حاصل نہ ہوں تو شکایت پیدا ہو۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ یہ ہوا کہ ایک تو اعمال اختیاریہ ہیں ان کا اہتمام واجب ہے اور ثمرات آجلہ(۵) یعنی جزاء کے لیے دعا بھی جائز ہے اور اہتمام بھی واجب ہے اور ایک احوال غیر اختیاریہ ہیں یعنی ثمرات عاجلہ ان کے لیے صرف دعا جائز ہے اس کے علاوہ کسی قسم کا اہتمام جائز نہیں اور دعا بھی اس شرط سے جائز ہے کہ عدم عطا پر بھی راضی رہے۔ اب میں ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہم کو فہم وعمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وصلی اللّٰہ علی سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین (۶)

---

(۱) نفع ونقصان (۲) پس دونوں میں فرق واضح ہو گیا (۳) ''اے اللہ تیرے سامنے دل کے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس لیے کہ زخمی دلوں کا حال تو خوب جانتا ہے(۴) قبول نہ ہونے پر (۵) اس پر آخرت میں جزاء سے کچھ دعا بھی کرے (۶) اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو اس وعظ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

أخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی
ادارۃ أشرف التحقیق۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیۃ۔ لاہور

۱۔ 3 مارچ 2019ء کو حضرت مولانا مشرف علی تھانویؒ کی خدمات کے اعتراف اوران کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے جامعہ میں ایک خاص تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں مصر سے الدکتور احمد عیسی المعصر اوی مدظلہ نے شرکت فرمائی۔ اس کے علاوہ پاکستان کے جید علماء نے اس محفل کو رونق بخشی جن میں مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ کے فرزند ارجمند ڈاکٹر عادل خان صاحب دامت برکاتہم، جامعہ اشرفیہ لاہور کے رئیس حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب دامت برکاتہم، مفتی شیر محمد صاحب مدظلہ، حضرت مفتی عبد القدوس صاحب ترمذی دامت برکاتہم اور ڈاکٹر محمد سعد صدیقی مدظلہ کے نام سر فہرست ہیں۔ اس تقریب میں حضرت مولانا مشرف علی تھانویؒ کی جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کیلئے 35 سالہ خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے درج ذیل موضوعات پر مقالات پیش کئے گئے: (۱) جامعہ دارالعلوم میں درس نظامی، دورہ حدیث اور قراءات کی ترویج (۲) جامعہ میں تعمیراتی نظام اور مالیاتی نظام کی اصلاح (۳) حضرت مولانا مشرف علی تھانویؒ کی تحقیقی و تصنیفی خدمات اور ادارۃ اشرف التحقیق کا قیام (۴) عصری علوم اور جامعہ کا مثالی نصاب تعلیم۔ تقریب کے دوران ڈاکٹر محمد سعد صدیقی صاحب نے الحقانیہ کے خاص نمبر" عارف ربانی " کا افتتاحی خطاب فرمایا اور کتاب کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مولانا مشرف علی تھانویؒ کی شخصیت کے نمایاں پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ حضرت مولانا مشرف علی تھانویؒ کی تحقیقی و تصنیفی خدمات سے متعلق ایک مقالہ احقر نے بھی پیش کیا۔

۲۔ بحمد اللہ تعالیٰ امسال جامعہ ہذا سے بخاری شریف کی تکمیل کرنے والے طلباء کی کل تعداد 40 تھی جن میں سے 24 طلباء نے مدرسہ ہی میں ایم اے بھی ساتھ مکمل کیا۔

۳۔　بحمد اللہ تعالیٰ امسال جامعہ ہذا سے حفظ قرآن کریم مکمل کرنے والے طلباء کی کل تعداد 39 اور ناظرہ مکمل کرنے والوں کی تعداد 16 تھی جن کی تکمیل حضرت قاری ڈاکٹر احمد میاں صاحب تھانوی دامت برکاتہم نے فرمائی۔

۴۔　17 مارچ 2019ء کو تکمیل حفظ اور تکمیل بخاری شریف کے پرنور موقع پر جامعہ میں ایک پر وقار تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں ملک بھر سے علماء وطلباء نے شرکت کی، اور مہمان خصوصی مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے شرکت فرما کر اس تقریب کو مزید اعزاز بخشا۔ اس موقع پر حضرت مولانا مفتی مبشر احمد نظامی دامت برکاتہم نے ترمذی شریف کا آخری درس پڑھا کر مختصر بیان فرمایا اور بخاری شریف کی تکمیل پر آخری درس شیخ الحدیث و نائب رئیس جامعہ ہذا حضرت ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی دامت برکاتہم نے پڑھایا اور طلباء جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کو روایت حدیث کی اجازت بھی مرحمت فرمائی، ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی دامت برکاتہم نے فضلاء سے خطاب کرتے ہوئے جامعہ کے نصاب ونظام تعلیم کو امت مسلمہ میں خیر اور دین اسلام کی ترویج وترقی کا ذریعہ قرار دیا۔ اس موقع پر مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم نے طلباء کو زندگی گزارنے کا کلیہ سکھلاتے ہوئے فرمایا کہ اس ادارہ سے میرا بہت پرانا تعلق ہے اور یہاں کے سابق مہتمم اور شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانویؒ نے حضرت ڈاکٹر عبد الحی عارفیؒ کا ایک ملفوظ سنایا تھا حضرتؒ نے حضرت ڈاکٹر عبد الحی عارفیؒ کے حوالہ سے ارشاد فرمایا کہ زندگی ہمیشہ رعایت حقوق وحفاظت حدود کے ساتھ گزارو کبھی کسی کا حق تلف نہ کرنا اور ادائیگی حقوق میں حدود کو ملحوظ رکھنا۔ اس کے بعد حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے جامعہ کے فضلاء اور اساتذہ کو روایت حدیث کی خصوصی اجازت مرحمت فرمائی۔

۵۔　الحقانیہ کا خاص نمبر" عارف ربانی " ادارہ اشرف التحقیق میں موجود ہے جس کی قیمت مبلغ 300 روپے ہے اگر کوئی صاحب لینا چاہیں تو احقر سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

فارغین طلباء عالمیہ ثانیہ (دورہ حدیث) 2018/19

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ، لاہور

نمبر شمار	نام مع ولدیت	ضلع	رزلٹ قراءات ثلاثہ	فیصد قراءات ثالثہ	رزلٹ عالمیہ اولیٰ	فیصد عالمیہ اولیٰ	عصری تعلیم
1	سعید الرحمٰن بن حافظ منظور احمد	ڈی۔جی۔خان	169	84.5	502	83.67	ایم اے اردو، ایم اے اسلامیات، ایم ایڈ
2	محمد امجد ایوب بن محمد ایوب	لاہور	155	77.5	352	58.7	ایم اے اسلامیات، ایم اے ایجوکیشن، ایم اے اُردو
3	ذیشان علی بن محمد ارشد	سیالکوٹ	167	83.5	392	65.33	ایم اے عربی، ایم اے ایجوکیشن، ایم اے اُردو
4	محمد ثاقب صدیق بن محمد صدیق	پاکپتن	163	81.5	405	67.5	ایم اے اُردو، ایل ایل بی، ایم ایڈ
5	صدام حسین بن عبدالستار	بہاولنگر	172	86.0	434	72.33	ایم۔آئی۔ٹی، ایم۔اے اسلامیات
6	شہزاد اقبال بن غلام نبی	بہاولنگر	171	85.5	431	71.8	ایم۔اے عربی، ایم اے ایجوکیشن
7	مبشر امین بن محمد امین نعیم	بہاولنگر	156	78.00	323	53.83	ایم اے اُردو، ایم ایڈ
8	حافظ صدام حسین بن محمد اکبر	بہاولنگر	173	86.5	375	62.5	ایم اے اُردو، ایم۔اے اسلامیات
9	عابد محمود بن رحمت علی	لاہور	164	82.00	320	53.3	ایم اے اسلامیات، ایم اے ایجوکیشن
10	عدنان عارف بن عارف حسین	قصور	165	82.5	300	50.00	ایم اے اُردو، ایم اے ایجوکیشن
11	محمد عابد بن محمد اسرائیل	اوکاڑہ	154	77.00	345	57.5	ایم اے ایجوکیشن و اُردو

12	سعود اکرم بن محمد اکرم ملک	لاہور	172	86.0	405	67.5	ایم اے اُردو، ایم اے ایجوکیشن	
13	محمد ندیم بن لعل فراز	لاہور	177	88.5	407	67.83	ایم اے اُردو، ایم اے ایجوکیشن	
14	سعید الرحمٰن بن عبد الرحمٰن	شانگلہ	176	88.00	300	50.0	ایم اے اسلامیات، ایم اے ایجوکیشن	
15	محمد ارسلان بن محمد ایوب	خانیوال	176	88.00	325	54.2	ایم آئی ٹی، ایم اے اسلامیات	
16	محمد اسلام بن محمد شریف	خوشاب	178	89.0	375	62.5	ایم اے اردو، ایم اے ایجوکیشن	
17	عمیر سعید بن محمد سعید	شیخوپورہ	163	81.5	286	47.7	ایم اے اسلامیات	
18	محمد ذیشان بن خالد محمود	لاہور	171	85.5	454	75.67	بی۔ ایس بائیوٹیکنالوجی	
19	موسیٰ شاہد بن شاہد اسلم	لاہور	178	89.00	352	58.7	ایم۔ اے عربی	
20	فصیح الدین بن سعید الدین	لاہور	180	90.00	318	53.00	ایم اے۔ اسلامیات	
21	محمد اظہر الدین بن محمد اللہ	چترال	168	84.00	324	54.0	ایم اے اسلامیات، بی ایڈ	
22	محمد عمران بشیر بن حاجی بشیر احمد	بہاولپور	168	84.00	342	57.00	ایم اے عربی	
23	ظہیر الدین بن ملک شاہ	چترال	176	88.00	405	67.5	ایم اے عربی	
24	عبد المنان بن محمد اکرم	ساہیوال	159	79.5	242	40.3	ایم اے اسلامیات	

25	عبدالقدوس بن عبدالقیوم	نیلم	140	70.00	313	52.2	ایم اے اسلامیات
26	سید آصف حسین بن سید نذیر حسین	نیلم	174	87.00	371	61.83	بی۔اے
27	حافظ محمد عثمان بن حافظ غلام نبی	سرگودھا	155	77.5	321	53.5	بی۔اے
28	محمد اعظم طارق بن محمد ابراہیم	سیالکوٹ	153	76.5	250	41.7	بی۔اے
29	فداء الرحمٰن بن محمد یونس	چترال	155	77.5	419	69.83	بی۔اے
30	محمد علی حسن بن محمد اسلم	لاہور	......		260	43.3	بی۔اے
31	فضل کریم بن اللہ یار	چنیوٹ	155	77.5	337	56.2	بی۔اے
32	خالد محمود بن محمد بوٹا	بہاولنگر	155	77.5	343	57.2	بی۔اے
33	عامر علی بن حاکم علی	لاہور	180	90.00	401	66.83	بی۔اے
34	محمد عمران بن محمد اکرم	لاہور	149	74.5	275	45.8	بی۔اے
35	شیر داد خان بن گل احمد خان	لاہور	158	79.00	301	50.2	بی۔اے
36	عثمان حیدر بن نور احمد	جھنگ	144	72.00	309	51.5	بی۔اے
37	محمد عبداللہ بن خان زمان	مانسہرہ	159	79.5	310	51.7	بی۔اے

38	عبیدالرحمٰن بن انعام الٰہی	لاہور	165	82.5	425	70.83	آئی۔کام	
39	عطاءاللہ بن نظر محمد	صوابی	171	85.5	380	63.33	ایف اے	
40	فیض الحق عباسی بن طالب الحق عباسی	لاہور	171	85.5	260	43.3	ایف اے	